

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بِلْغُ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
[القرآن]

دُوَّتِ، اسْلَاجِ، فَسْرِی، اُتْسِلِی، حَمْدِ
تبليغ القرآن
دو ماہی پشاور

جلد 1

شمارہ 5

ستمبر، اکتوبر 2014 ذی القعده، ذی الحجه 1435

جنگل

مولانا مفتی محمد ایاز دلی

صلی

مولانا سید کفایت بخاری

مولانا حشمت علی صافی

لیکے از مطبوعات جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

فہرست مضمونیں

3	عاصم عطا اللہ بندیلوی اولی	از	قیام الیمان فتح تحریر القرآن
7	ادارہ	از	موت کی بار
8	اللہی		بر شاش پاؤ بیجا ہے انجام مکھس کیا ہوگا
11	الرمیان مہم الیاس		مولانا حسین علی الاولیٰ اور جوئی اہل القرآن تحریر
16	الزم الہ ناطقی گویا از صاحب		الزم الہ ناطقی گویا از صاحب
22	دین و شریعت		ذکری فرقہ داریت کے اسباب
27	ذکری کا استعمال انتہی، افادت اور طریقہ کار		ذکری کا استعمال انتہی، افادت اور طریقہ کار
29	ذکر علی شعبہ خواتین		خواتین اسلام سے طالبات
34	ذکر مسلم کے چداونصاف		ذکر مسلم کے چداونصاف
37	استار		بانگان اور کسان
38	ذکر نعمت		ذکر نعمت
55	لہلہ فخر		سچ اُن شربات
60	محمد علی قشل		چاہو! لہلہ شبہ بات کے موقاٹ و مرکیاں



قیمت فتح مدد 30 روپے تر سالانہ۔ 160 روپے

سالانہ ذر تھاون ہر دن مالک: 20 ڈالر

چیک آکاؤنٹ نمبر: 8-2003200

چیک کوڈ: 0864

الائین چیک لیٹر فتح اباد رائے پشاور پاکستان۔

برائے رابطہ:

فون: 300 45 22 45 + 92-91-93 93 151، موبائل: 0333-9393151

مجمع ادارت

- پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر
- پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان
- مولانا ذکر اکرم الحق یا سین
- مولانا ذکر سراج الاسلام حنفی
- انجینئر میاں محمد الیاس
- پروفیسر سید طاہر شاہ
- مفہی ضیاء الحق
- جناب یوسف ظفر
- مفتی سراج الحق
- ابو شاقب گلیل احمد

مدد 05 بت کا یہ
محلہ "تلیخ القرآن"
جامعہ تلیخ القرآن
یونیورسٹی آزاد ریاست پاکستان۔



ای سیل

mujallia.jamiat@gmail.com

ویب سائٹ

www.allshaat.com

پبلیش: حشمت علی سانی

پرائز: الحلم پبلیکس رووز

ترسلیم انچارج

قاری احتشام الحق

0333-9393151

ضياء البيان في تفسير القرآن

لماحة خطاء الله بن يابو

سورة البقرة (آیت ۳۰ تا ۳۹)

وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَ يَخْنُ لَسْبِيمَ بِحَمْدِكَ وَ تَنْكِيشَ لَكَ قَالَ إِنِّي أَغْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَ عَلِمَ آدَمُ الْأَسْمَاءَ كُلُّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلِكَةِ فَقَالَ أَكْثِرُهُنِّي بِإِسْمَاءٍ هُوَ لَأَنَّ كُنْشَمْ صَدِيقِي قَالُوا سَبِّحْنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَمْنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ قَالَ يَا آدَمُ أَكْتَبْنُهُمْ بِإِسْمَاءٍ يَهُمْ فَلَمَّا أَكْتَبْنَهُمْ بِإِسْمَاءٍ يَهُمْ قَالَ آمِنْ أَكْفُلُهُمْ لَكُمْ إِنِّي أَغْلَمُ غَيْبَ السَّمْوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَغْلَمُ مَا تَبَدُّؤُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْنُمُونَ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدُوا لِأَدْمَهْ فَسَجَدُوا إِلَيْنِي إِلَيْهِ وَ اسْتَكْبَرُوا كَمَا كَانَ مِنَ الْكُفَّارِ وَ قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلُّا مِنْهَا رَغْدًا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونُ نَارًا مِنَ الظَّلَمِينَ فَأَزَّهُمَا الشَّيْطَنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مَمَّا كَانَا فِيهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِيَعْصِي عَدُوًّا وَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقْرٌ وَ مَتَاعٌ إِلَى حِينٍ فَنَلَقَى آدَمَ مِنْ زَيْرِهِ كَلِمَتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَامَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ هُنَّى فَمَنْ تَبِعَ هُنَّا فَلَا حَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْرَثُونَ وَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ كَذَّبُوا بِالْيَتَمَاءِ أُولَئِكَ أَصْحَبُ النَّارِ هُمْ فِيهَا الْخَلِيلُونَ

ترجمہ: (اس وقت کا تصور کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنائے والا ہوں، تو انہوں نے کہا کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد مچائے گا اور خون خراہ کرے گا، جبکہ ہم تیرے تسبیح، حمد اور تقدیس بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا، میں وہ باتیں جاتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے، پھر ان (چیزوں) کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا: اگر تم اپنی باتیں میں سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

- فرشتے کہنے لگے، ہر عیب سے پاک تو توہی ہے، ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک توہی علم و حکمت والا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے آدم سے کہا: اے آدم تم فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتادو۔ پھر جب آدم نے نام بتادیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی) نہ کہا تھا کہ میں زمین و آسمان کی سب چیزوں کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔
- اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ایس کے سواب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور گھنٹہ میں آگیا اور کافروں میں شامل ہو گیا۔
- اور ہم نے فرمایا: اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو، جتنا چاہو، اس میں سے کھاؤ مگر اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں شمار ہوں گے۔
- آخر کار شیطان نے ان کو درگلا کر وہاں سے نکلوا، ہی دیا۔ تب ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور ایک معین وقت تک تمہارے لیے زمین میں رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔
- پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لیے۔ پس اللہ نے آدم پر (رحمت سے) توجہ فرمائی۔ بے شک وہ (رحمت سے) توجہ کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔
- ہم نے حکم دیا اس جنت سے سب کے سب اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ایسے لوگوں کو نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آئیوں کو جھٹلایا، وہی آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر و تشریح:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ : اس دنیا میں مشرکین نے زیادہ تر تین قسم کی مخلوق کو معبد بنایا ہے۔ انبیاء و اولیاء کی عبادت ہوئی یا جنات کو پکارا گیا یا فرشتوں کو معبد ٹھہرایا گیا۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۹ سے لے کر آیت ۴۲ تک اللہ نے ان تینوں قسم کی مخلوق کا تذکرہ کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں عالم الغیب اور مختار کل نہیں ہیں لہذا عبادت کے بھی لا اقت اور مستحق نہیں۔

خیفۃ خلف سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے پچھے آنا، مراد ایسی خلوق ہے جو ایک دوسرے کے نائب اور خلیفہ ہوں گے۔

قالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا : فرشتوں کا یہ کہنا مشورے اور اعتراض کی بنابر نہیں تھا، بلکہ اپنی فرمانبرداری اور نیاز مندی کا اظہار تھا، جس طرح مالک کسی کام کے لیے دوسرا نوکر کھنا چاہتا ہو اور پہلا نوکر کہے دوسرا نوکر خدا معلوم کیسا ہو، آپ میری اطاعت و امانت کو توجانتے ہیں وہ دوسرا ذمہ داری بھی میرے سپرد کر دیں، اولاد آدم کے متعلق فساد و خون ریزی کا دعویٰ انہوں نے جنات کے حالات کو دیکھ کر کیا اور اولاد آدم کو جنات پر قیاس کر لیا۔

وَعَلِمَ أَدْهَمُ الْأَسْنَاءَ : اسماء سے مراد مختلف اشیاء کی تاثیرات اور خواص ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھانے کا علم ہے اور سکھانے سے مراد ہے ان کی فطرت میں رکھ دیے، اسی لیے آدم نے ان چیزوں کے نام اور خواص اور فائدے بیان کر دیے اور ملائکہ ان کے بیان کرنے سے عاجز آگئے اور نمہ صخھ اپنی لا علیٰ کا اظہار کر دیا۔ فرشتوں کے اس اعتراف سے واضح ہوا کہ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے، فرشتوں کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے لہذا فرشتے معبود بننے کے لاکن نہیں۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ : آدم کی علیٰ برتری کے اظہار کے بعد فرشتوں کو حکم ہو رہا ہے کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو کر عملی طور پر برتری کا اعتراف کرو کچھ مفسرین نے فرمایا کہ یہ سجدہ اللہ ہی کو تھا، آدم کو قبلہ کی حیثیت دی گئی تھی۔ (بجرحیط، قرطی) یعنی آدم کی طرف منہ کر کے اللہ کا سجدہ کرو۔ یا یہ حکم فرشتوں کے ساتھ خاص ہے اسے غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا، یا اس سے مراد تقطیعی سجدہ ہے جو شریعت محمدیہ میں حرام قرار دیا گیا ہے پہلے امتوں میں جائز تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

إِلَّا إِنْتَ لِي : ابلیس جنوں میں سے تھا، اسے آدم کے سامنے بھجنے کا علیحدہ اور مستقل حکم ہوا تھا مگر اس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور آدم سے حسد اور تکبر کی بنابر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں جنات کے پچار یوں پر یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے کہ جنوں کا بڑا تمہارا قدیمی دشمن ہے اور سے وہ اللہ کا انتہائی نافرمان ہے اسے معبود بناتے

ہوئے اور غائبانہ حاجات میں اس کی ذریت کو پکارتے ہوئے تمہیں شرم آئی چاہیے۔ اس لیے جنات معبدو ہونے کے لاائق نہیں تو ہمارے دعویٰ (اندھہ وار ٹھہریو) کو تسلیم کرو۔

وَقُلْنَا يَا آدُمُ : نوریوں اور ناریوں کے حالات سن چکے ہو، اب خاکیوں کے حالات پر بھی نظر ڈالو۔ آدم اور ان کی زوجہ محترمہ حوا کو جنت میں داخلے کا حکم ملا، اور ایک درخت کے پھل کے استعمال سے منع فرمادیا۔ شیطان نے جھوٹی قسمیں اٹھا کر انہیں ورگلایا اور پھسلایا اور کہا اللہ نے خاص اس درخت کے پھل سے روکا ہے، اسی جنس کے کسی دوسرے درخت سے کھا بیجیے۔ آدم بوجہ بشریت شیطان کے بہکاوے میں آگئے اللہ رب العزت نے آدم کی نیک نیتی پر خود گواہی دی، فَنَّسَى وَلَمْ يَخْذُ لَهُ عِنْمًا (کھف: ۱۱۵)

اللہ نے فرمایا تم سب (المیں بھی اور تم دونوں بھی) زمین پر چلے جاؤ تم ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ سیدنا آدم پر بیشانی کے عالم میں زمین پر تشریف لائے اور اپنے رب کو منانے کے لیے چند کلمات اپنے رب سے سیکھ لیے۔ یہ کلمات کیا تھے؟ اسے خود قرآن نے سورۃ الاعراف آیت ۲۳ میں بیان فرمایا ہے: رَبَّنَا تَلَكَّنَا أَنْفُسَنَا وَإِنَّمَّا تَغْرِيَنَا لَكُوْنَنَّا مِنَ الْأَنْسِنَّا كَجَّحَ حَفَّرَاتِنَّا نَّعَمَّا اسے خود قرآن کے وسیلے سے دعا مانگی تھی تب ان کی توبہ قبول ہوئی۔ تمام محدثین نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے علاوه ازیں یہ روایت قرآن کے خلاف بھی ہے۔ آپ قرآن و حدیث میں موجود دعاوں پر غور فرمائیں، ان میں کسی نبی اور ولی کے وسیلے اور واسطے کا ذکر تک نہیں ہے۔ امام الانبیاء ﷺ اور دیگر تمام انبیاء کرامؐ کے دعائیں کاظمینہ کا طریقہ بھی رہا ہے کہ بغیر کسی وسیلے کے براہ راست اللہ ہی کو پکارتے رہے۔ اور اگر وسیلہ پیش بھی کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کو بطور وسیلہ پیش کیا؟

فُلَّنَا اهْبِطُوا : دعا کی قبولیت کے باوجود انہیں دنیا میں رہنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے، میری جانب سے بدایت و راہنمائی کے پیغام مسلسل تم تک پہنچتے رہیں گے۔ جن لوگوں نے میری بدایت کو مانا وہ مامون و مطمین ہوں گے اور انکار کرنے والے دوزخ کے سزاوار ٹھہریں گے۔

موت کی یاد

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ حَذِيرَةَ الْقُلُوبِ تَفَدِّي أَكَانِيَضَدَّاً أَلْحَزِينِيَّدَأَدَّاً أَصَابَةَ
الْمَاءِ قَلْبٌ يَارِ شَوَّالَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَلَأَهُ حَاتَّا قَلْبٌ كَثْرَةً ذِكْرِ الْمَوْتِ وَبِلَادَةُ الْقُرْآنِ۔

[البيهقي في شعب الایمان، محفوظة]

ترجمہ: سید ناعبد اللہ بن عمرؑ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”دلوں کو اس طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لو ہے کو زنگ لگ جاتا ہے جب اس پر پانی پڑ جاتا ہے۔
لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ، پھر دل کو کیسے صاف کیا جائے۔ فرمایا موت کو کثرت کے ساتھ یاد کیا جائے اور قرآن
کی تلاوت کی جائے۔“

تشریح: پانی پڑنے سے جس طرح لو ہے پر زنگ آ جاتا ہے اسی طرح اللہ اور یوم آخرت سے غفلت کی وجہ سے دل پر
سیاہی چھا جاتی ہے، اسی سیاہی کو اللہ کے رسول ﷺ نے زنگ سے تعبیر فرمایا ہے اور قرآن میں اسی کوران کہا گیا ہے
۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

دو ہر گز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے کروتوں کی وجہ سے زنگ آ گیا ہے۔
دل ایمان اور اعمال صالح کے ذریعے آئینے کی طرح صفائح اور روشن ہوتا ہے لیکن گناہوں کی گندگی سے
اس میں گدلاپن اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس زنگ اور رین کو صاف کرنے اور دل کو پھر سے روشن کرنے کے لیے
اللہ کے رسولؐ نے دو تدبیریں بتائی ہیں ایک یہ کہ موت کو کثرت سے یاد کیا جائے اور دوسرا یہ کہ تلاوت قرآن کا
اهتمام کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ موت بہترین ذکر ہے۔ موت تعمیر سیرت، تکمیل شخصیت اور حسن انجام کی فکر پیدا کرنے کا
کارگر ذریعہ ہے، اور قرآن بھی آدمی میں یہ فکر پیدا کرتا ہے، اس کا ہر ہر صفحہ آدمی کو اس دنیا سے اٹھا کر اس دنیا میں لیجا
کر کھڑا کر دیتا ہے اور اگر شعور زندہ ہو تو کچھ دیر کے لیے آدمی خود کو اُسی عالم میں موجود محسوس کرتا ہے اور آخرت کا
یہ استحضار اور تلقین دل کے زنگ کو دور کر کے اسے روشن کرنے کا معبر ذریعہ ہے۔

ہر شاخ پہ الٰہ بیٹھا ہے، انجام گلستان کیا ہو گا

مدیر

پوری دنیا میں مسلمان بحیثیت قوم مشکلات میں مبتلا ہیں، ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور ہر کہیں مار کھا رہے ہیں۔ وجہ اس بیماری دل کی و ہمی پرانی، قیادت کی بے داشی اور بے تدبیری۔ قیادت سے مراد صرف احل حکومت نہیں بلکہ اپوزیشن اور حکومت میں ہر سطح کی قیادت اس کا ایک حصہ ہے۔ دینی و دعوتی اداروں اور مختلف سرکاری و غیر سرکاری جامعات کارونا کسی دوسرا وقت پر اٹھا رکھیے کہ نسل تو کی ذہن سازی اور فکری تربیت بنیادی طور پر انہی کی فہاری ہے۔ وطن عزیز میں احل حکومت کی غلطیاں اور کوتاھیاں اپنی جگہ، فیصلہ سازی کے عمل میں جو دیکھی جائیں اسی طرف، بعض وزراء کا اشتعال پھیلانے کا "فریضہ" پورے اخلاص سے ادا کرنا بھی تسلیم، لیکن آئین اور قانون کو مذاق بنا کر رکھ دیا جائے، محض فاسد بالرکی بے صبری کو تکمیل پھینکنا نے کے لیے پورے نظام کو لپیٹ کر رکھ دیا جائے۔

اس وقت میدان میں موجودہ دونوں طاری آزماؤں کیں اور قانون سے ہٹ کر مطالبات پیش کر رہے ہیں مثلاً وزیر اعظم کا مستغی، پارلیمنٹ کی تحلیل، قوی حکومت کا قیام اور ایکشن کمیشن کے ارکان کو مستغی ہونے کا حکم وغیرہ، یہ تمام باتیں آئینی حدود کے اندر رہ کر ممکن نہیں۔ اگر یہ لوگ پاکستان کے ساتھ مخلص ہیں تو پاکستانی آئین کا احترام کیوں ضروری نہیں سمجھتے؟

ظاهر القادری صاحب کو کبھی مولوی، عالہ اور شیخ الاسلام ہونے کا دعویٰ تھا، ڈاکٹر اور دانشور خیر سے اب بھی ہیں۔ عمران خان ایک سیاسی پارٹی کے سربراہ اور خیر سے "عقل کل" کی منزل پر فائز ہیں۔ یہ دونوں خود ہمی فیصلہ فرمائیں کہ ان کا اختیار کردہ طریق کارکس قانون اور اخلاقی ضابطے کے مطابق ہے۔ کیا غالط طریق کار سے سبھی درست نتائج نکلے ہیں اور کیا انتشار پھیلانے سے منزل قریب آئتی ہے؟ ڈاکٹر صاحب جس طرح ہر مد مقابل کو مار دینے بلکہ پیچھے ہٹنے والے اپنے ہمی ساتھی کو، شہید، کر دینے کی ترغیب دیتے رہے، کیا اس طرح وہ شریعت کی مخالفت اور قانون ٹھکنی نہیں کر رہے اور اس کی دعوت نہیں دے رہے!

عمران خان سول نافرمانی کا حکم جاری کرتے ہوئے عقل و داش کی پوٹی کھاں بھول آئے تھے؟ جماعت اسمبلیوں میں بلکہ حکومت میں بھی موجود ہے اور سربراہ جماعت سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان کر رہا ہے!

اگر ان صاحبان کے مارچ اور دھرنوں کو کسی درجہ میں بھی پذیر ائی دی جائے تو ملک میں صمیشہ کے لیے جنگل کا قانون چل نکلے گا سہ هر طالع آزمائیں ہستروں کی تسلیم کے لیے جتھہ بندی اور اسلام آباد کے گھر لاوے کی کوشش کرے گا۔ یوں یہ ملک سرز میں بے آئین اور لا قانونیت کا گڑھ بن کر انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

خاکم بد ہن یہ شیطان کبیر امریکہ کے اس منصوبہ کا حصہ بھی ہو سکتا ہے جس کے تحت وہ مشرق و سطی اور پاکستان کی نئی سرحد بندی کرنا چاہتا ہے۔

مطلوبات اور طریقے کار کے غلط در غلط ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں نائبہ روزگار، راہنماء اپنی اخلاقی ساکھ بھی گنوای ہیں، ہمیں اور ان کا بات ہے سہ بڑا ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ہائی کورٹ نے مارچ کی جو حدود طے کی تھیں، انھیں دھڑلے سے تو کچلا گیا اور جن امور کو خلاف قانون قرار دیا تھا، ہی بانگ دھل پالیسی بننے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے انقلاب کے بعد معاشرہ میں قانون اور عدالتوں کا یہی ہشر ہو گا؟ جن لوگوں نے ثالث بن کر انھیں مارچ کی اجازت دلائی تھی، آج وہ اپنی ندادامت اور شرمندگی کا اظہار کر رہے ہیں کہ دونوں راہنماء اور ان کی جماعتیں طے شدہ معاهدوں کی پابندی سے انکاری ہیں۔ عمران خان احل حکومت کے لیے جو زبان استعمال کرتے ہیں، اسے کسی طور بھی ایک شریف آدمی کی زبان اور لمحہ نہیں کھا جاسکتا۔ اب انہوں نے اس کی پیٹ میں خورشید شاہ صاحب کو بھی لے لیا ہے جو خسن کشی کا عجیب نمونہ ہے۔ کیا وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھنے والے کی یہی زبان ہوتی ہے اور اس سے ایسے ہی اخلاق و کردار کی توقع کی جاسکتی ہے؟ یہ سب کچھ مخفی ان کی انا، میاں صاحب سے پر انی نفرت و عناد اور ہوس اقتدار میں بے صبری کا نتیجہ نظر آتا ہے۔

”روزنامہ جنگ“ کے ایک محترم کالم نگار کے مطابق وہ اپنی تقریر میں ایک دفعہ اپنے بارے میں ”وزیر اعظم عمران خان“ کہہ بھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے سہ اندر کی ہوس اقتدار کس قدر بے لگام ہو چکی ہے اور کیسے دل کی بات زبان پر آ جی گئی ہے۔

ظاهر القادری صاحب کے بیانات، لمحہ، دھرنے اور پریس کے سامنے بولے گئے کتنے ہی جھوٹ گنوانے یا ان پربات کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ صاحب جس اخلاقی ساکھ اور شہرت کے حامل ہیں، معلوم ہے۔ اس سارے ہنگامے میں ثالث بننے والے حضرات کو ان دونوں راہنماؤں کی طرف سے جس ”عزت افزائی“ کا مستحق سمجھا گیا، وہ بھی ان دونوں راہنماؤں کی اخلاقی ساکھ پر سوالیہ نشان بلکہ داغ کی صورت میں نمایاں ہے۔ حکومت نے ان حضرات کو بار بار پذیر ائی کا مستحق سمجھا اور ان انقلابیوں کے مقابلے میں

ٹھنڈے رویے کامظاہرہ کیا، جو یقیناً اصل حکومت کی اخلاقی برتری کا ثبوت ہے، جبکہ اخلاق و کردار سے تھی دامن یہ دونوں لیڈر غیر ملکی عصر کی موجودگی اور فنڈنگ وغیرہ الزامات کی صفائی بھی نہ دے سکے اور جیسے یہ ماشی میں اسٹبلشمنٹ کے ہمراے کے طور پر استعمال ہوتے رہے، اس کے پیش نظر اب بھی ان الزامات کو بالکل ہی ٹھکرایا مشکل نظر آتا ہے۔ پوری پارلیمنٹ اور تمام پارلیمانی پارٹیاں حکومت کی حمایت میں کھڑی ہیں کہ ان کے مطالبہ پر میاں صاحب قطعاً مستعفی نہ دیں۔ گورنمنٹ عمران خان کے چھ میں سے پانچ مطالبات تسلیم کر چکی اور چھٹا بھی مشروط طور پر اس طرح تسلیم کر لیا کہ اگر عدالتی کمیشن اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ گذشتہ انتخابات میں دھاندی ہوئی تھی تو پوری حکومت مستعفی ہو جائے گی۔ یہ وہی بات ہے جو پرویز ملتک اپنی حکومت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اگر K.K.P. میں دھاندی ثابت ہوئی تو میں استعفی دوں گا ورنہ اس کی ضرورت نہیں، لیکن مرکز میں تحریک انصاف کو یہی بات قبول نہیں۔

طاہر القادری کو اصلاحی کمیٹی بنا کر اس کا چیئرمین بنانے کی پیش کش کی گئی۔ لیکن یہ مطالبات تو محض ڈھال ہیں اور ان کا اصل ایجاد اپکھ اور ہے، اس لئے یہ صاحبان کسی کی مان کر نہیں دے رہے۔ اور میاں صاحب کے استعفی سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہو رہے۔

میاں صاحب کی حکومت کے میگا پرو جیکش، چین کے ساتھ بکثرت منصوبوں کا آغاز اور روس کے ساتھ تعلقات میں بہتری وغیرہ چند امور ایسے ہیں جو امریکہ بہادر کو کسی طور پر پسند نہیں۔ ۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر مصدق حکومت ایسے ہی قوی منصوبوں کی سزا دینے کے لئے ایم آئی سکس اور سی آئی اے نے سازش کی تھی، جس کے تحت امریکہ نے اس دور میں دس لاکھ ڈالر کرج کرتے تہران کو ڈھنڈے بردار مظاہرین سے بھر دیا تھا جو مصدق حکومت کے استعفی سے کم کسی بات پر راضی نہیں تھے۔

اس قضیہ میں میڈیا کا کردار بھی بہت زیادہ محل نظر ہے۔ میڈیا نے اب کے بھی وہی تماشا لگایا ہے جو اسلام آباد کی ایک سڑک پر سکندر کے ڈرامے کے وقت لگایا تھا۔ گویا میڈیا اپنی آزادی کی اہمیت کا احساس ہے نہ ہی اس آزادی کے تقاضوں یا اس کی قانونی و اخلاقی حدود کا کوئی پاس ہے، بہر حال عمران، قادری اور میڈیا کے کردار سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مستقبل کے پاکستان کا منظر نامہ کیا ہو گا!

اس آشیاں کی خیر ہو، یہ آشیاں رہے

سید کفایت بخاری

مولانا حسین علی الوالی اور رجوع الی القرآن تحریک

- مولانا حسین علیؒ سے اللہ تعالیٰ نے اصلاح و دعوت، علوم قرآنی کی شرو اشاعت اور توحید خالص کے احیاء و اعلاء کا جو کام لیا اور اس کے جو دروس اثرات مرتب ہوئے ان کو ہم درج ذیل پانچ شعبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔
- ۱۔ قرآن حکیم کی ترجیحی مسلمانوں میں اس کے پیغام (Messages) تعلیمات (Teachings) اور مضامین (Subjects) کی اشاعت عام کرنا اور اس کے ذریعے سے عقائد کی اصلاح اور دین خالص سے عوام و خواص کے براہ راست ربط و تعلق کی سیمی جمیل۔
 - ۲۔ مشرکانہ عقائد و رسوم اور بدعتات کا مقابلہ اور اس کی بھرپور تردید و منہجت کے ساتھ ساتھ توحید خالص اور سنت حقہ کے احیاء کی مجددیانہ مسائی۔
 - ۳۔ اجتہاد فی الحدیث اور اسناد کی پرکھ کے ذریعے مسلمانوں میں مردوجہ بعض رسوم کی اصلاح نیز حدیث و فقہ کی تطبیق کی مخالصانہ کاوش۔
 - ۴۔ تصوف و سلوک سے عجیب اثرات کا خاتمہ اور اس کے مردم بیزار رویہ کے بر عکس مجددی سلوک کے آسان و سہل طریق کا اجراء۔
 - ۵۔ ان مردان کا کارکی تربیت جو وقت اور حالات کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام کریں اور اس مشن کو آگے بڑھائیں۔
- دعوت توحید، نبوی مشن:**

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دین صرف اسلام ہے اور تمام انبیاء کرام اس کے داعی و مبلغ تھے توحید دین کی اساس ہے جو عقیدہ و ایمان کی اصل ہے۔ انبیاء کرام علیهم السلام آتے جاتے رہے، احکام و عبادات میں تغیر و تبدل ہوتا رہا مگر عقیدہ ہمیشہ ایک رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک اس میں کوئی تبدلی نہیں ہوئی۔ اور عقیدہ توحید تو اصل میں

ایک عہد اور بیان ہے جو مخلوق نے خالق سے کیا تھا۔ جب اس نے عالم ارواح میں سوال کیا آئشٹ بر بنون تو مخلوق نے یک زبان ہو کر کہا ”بلی“ اسی عہد کی تجدید و اعادہ کے لیے انبیاءؐ کو مجموع کیا گیا جنہوں نے اس کی دعوت و اشاعت میں کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کیا، نہ مصلحت و مداحت سے کام لیا میزان و معاملات کے نزد خواں قدوسی نفوس نے عقیدہ کی دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ ہمت و استقامت کا مظاہرہ کیا دوڑوک اور واضح بات، کھرا الجہہ، کھرا انداز، جس میں وہم و اہم کا ذرہ برابر بھی دخل نہ تھا، صرف اور صرف ایک ہی بات جس کا خلاصہ تھا اللہ اَللّٰهُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔

حضور ختم المرسلین ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ اس پر شاہد ہے کہ مخالفت و مخاصمت، ترغیب و ترهیب، معاشرتی مقاطعہ، بھرت و جہاد کے باوجود توحید کی دعوت و تبلیغ اور اس کے اعلاء و احیاء میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، فتح مکہ کے روز بھی وہی بات کہی گئی جو اکیس سال قبل صفا کی چوٹی سے بلند ہوئی تھی کہ تَوْلُّ اَللّٰهِ اَللّٰهُ تَلْقَوْا تَوْحِيدَ توحید کے اثبات سے پہلے شرک کی نفی عقیدہ کا لازم ہے اور یہی نفی مشرکین کے کے لیے سوہان روح تھی اور یہی دین کا مطالبہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کے اثبات سے پہلے باقی سب کی نفی کر دی جائے۔

دعوت الی التوحید کی نبوی ﷺ تحریک کا وہ مرحلہ بڑا کٹھن اور صبر آزماتا جب مخالفت و ترغیب سے ناکام ہو کر صنادید مکہ نے حضور ﷺ کے چچا اور بنتی ہاشم کے سردار ابو طالب کو ایسی میثم دے دیا کہ اپنے بیٹجے کو سمجھا ورنہ بتائی کی ذمہ داری ہم پہنہ ہو گی۔ ابو طالب نے حضور ﷺ سے کفار مکہ کی دھمکی اور اپنی مجبوری و معدودی کا اظہار کیا تو دعوت و عزیت کے اس پیکر عظیم اور توحید الہی کے پیغمبر اعظم ﷺ نے دوڑوک لفظوں میں فرمایا کہ چچا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت اور اس کی تبلیغ کا کام تمہاری وجہ سے نشوونما پار ہاے اور تو نے جو سہارا دے رکھا ہے اسے ہٹالے اور یہ دھمکیاں دینے والے اگر یہ بھی کر سکتے ہوں کہ سورج اور چاند میرے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں تو بھی میں توحید کی دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ یہ کام تو اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ یا تو پاپیہ تکمیل کو پہنچ جائے یا پھر میں اسے کرتے ہوئے مارا جاؤں۔

[سیرت النبی جلد اس ارشیبی نعمانی]

مسلمانوں کا حال:

صدھا افسوس کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کے عزم و جد و جہد اور قربانیوں کی قدر نہ کی اور آہستہ آہستہ ان میں مشرکانہ عقاں در سوم و روانج پانے لگے حتیٰ کہ آٹھویں صدی ہجری میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کی طرف خدا تعالیٰ صفات و اختیارات منسوب کر لیے تھے۔ جگہ جگہ مشاہدوں میں اور اس کا اہتمام ہونے لگا اور بعض علاقوں میں شرک یہاں تک ترقی کر گیا کہ قبروں پر رکوع و سجود ہونے لگے، اہل قبور سے دعا، استمداد، استشفاع و توسل تو عام تھا بعض نام نہاد توحید پرستوں نے یہ اوصاف حضور ختم المرسلین ﷺ کے لیے خاص کر لیے تھے۔ اور جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے کہ شیطان کے بندے اس کے جال میں پھنس جائیں گے مگر خدا کے بندوں پر اس کا کوئی وار کار گرنہ ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندے وہی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا إِيمَانَكُمْ لَا يُنَزَّهُونَ

”وہ لوگ جنہوں نے ربوبیت الہی کا اقرار کیا اور اس پر ڈٹ گئے“

انسان توحید پر ایمان اور شرک سے نفرت کی اساس پر ہی تو معزز و محترم ہے ورنہ مشرکین کو قرآن نے جانور بلکہ اس سے بھی بدتر کہا ہے۔

امام ابن تیمیہؓ نے آٹھویں صدی ہجری میں ان مشرکانہ عقاں کا داڑھ کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں میں توحید خالص کے رسوخ اور انہیں قرآن کے ساتھ وابستہ کرنے کے کام میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے خلوص و للہیت کا نتیجہ ہے کہ آج سات سو سال بعد بھی ان کا نام توحید و سنت اور رجوع الی القرآن کی تحریک میں اکائی تصور کیا جاتا ہے۔

شرک و بدعت کی ترقی و ترویج کا یہ حال تو ان علاقوں کے مسلمانوں کا تھا جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا اور یہ دیوار اصحاب رسول ﷺ کے فیوض و برکات سے برادرست وابستہ ہوئے تھے۔ ہندوستان کے حالات تو اس سے بھی بدتر تھے جہاں اسلام ایران و افغانستان کا چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں شرک کا اہلیسی نظام صدیوں سے رائج تھا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس کردہ ارض پر اللہ تعالیٰ کے دین خالص اور اس کے پیغمبر ﷺ کی سنت مطہرہ کی دعوت و اشاعت میں ایسا معرکہ الاراء کام کیا کہ ہندوستان کا ہر مسلمان قیامت تک ان کا زیر بار رہے گا بلکہ اس باب میں خود اسلام ان کی مجاہد انہے اور مجددیانہ مسامی کا شکر گزار ہے تاہم مجدد (۱۰۰ اویں صدی ہجری) حضرت شاہ ولی اللہؒ (۱۲۰ اویں صدی ہجری) اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ (۱۳۰ اویں صدی ہجری) کی ان مسامی کے باوجود شرک و بدعتات مکمل طور پر ختم نہ ہو سکیں اور جہاں انہیں موقع ملا بہت زور سے اپنے پر پر زے نکالے۔

[اقبال اور اس کے مددوں علماء، ۱۳۰ از فضل قریشی]

دعوت و رجوع الی القرآن، اصلاح امسلمین کا موثر طریقہ:

چنانچہ حضرت مولانا حسین علیؒ نے ان قبائچ کا خاتمه کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے کا عزم کرنے کا عزم کیا کیونکہ قرآن مجید ہی اصلاح اور توحید و شرک کی حقیقت کو واضح کرنے کا سب سے دلنشیں اور موثر ذریعہ ہے اور اس سے بہتر کسی حکمت عملی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نے دعوت الی القرآن اور اشاعت توحید کا فیصلہ اپنی تعلیمی زندگی کے اختتام پر ہی کر لیا تھا۔ مولانا مظہر نانو تویؒ کے بعد مولانا شید احمد گنگوہیؒ (جو کہ حدیث میں بھی ان کے استاد تھے) سے دوبارہ تفسیر و ترجمہ کی تعلیم کا حصول ان کی قرآنی علوم سے دلچسپی کی شہادت ہے۔ چنانچہ گنگوہ سے واپسی کے فوراً بعد انہوں نے دعوت الی القرآن کا آغاز کر دیا۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی ملی اور اخلاقی پستی کا اصل سبب قرآن کریم سے دوری ہے اور اس کا واحد حل یہ ہے کہ وہ دوبارہ قرآن مجید سے وابستہ ہو جائیں۔ دعوت الی القرآن کے اس پروگرام کی راہ میں بہت روٹے الکائے گئے اور حضرت مولانا کو زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے کمال استقلال و استقامت کا مظاہر کیا۔

جس علاقہ میں اس عظیم اشان کام کا آغاز کیا گیا تھا۔ وہاں تو یہ حال تھا کہ بڑے بڑے مولوی اور پیر قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا اور پڑھانا گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ اور اسے خدادے لئگاں وچہ ہتھ پاؤں (یعنی اسرار ور موز الہی کی پرده دری کرنا) سے تغیر کرتے تھے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ قرآن پڑھنا اور سمجھنا عام آدمی کے بس کاروگ نہیں ہے بلکہ اس کے لیے علامہ العصر اور فرید الدہر ہونا ضروری ہے حال یہ تھا کہ درس نظامی میں تفسیر بیضاوی پڑھا کر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ مولوی صاحب قرآنی علوم کے ماہر ہو گئے ہیں۔

مشہور ہیں کہ قرآن اپناراستہ خود بناتا ہے اور اپنے پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے خود تیار کرتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا کے ترجمہ قرآن کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور پنجاب و سرحد بلکہ ہندوستان اور افغانستان تک کے علاقوں سے علماء ان کے پاس آنے لگے۔ یوں چراغ سے چراغ جلا اور اب جو ملک کے ہر شہر اور ہر بستی سے درس قرآن کی آوازیں آتی ہیں۔ اس کے اصل محکم حضرت مولانا حسین علیؒ وال ڈکھر اسی تھے جنہوں نے نصف صدی تک قال اللہ و قال الرسول ﷺ کی دعوت سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح کی اور انہیں قرآنی تعلیمات سے روشناس کرایا۔

[مقدمہ مشکلات القرآن ص از مولانا سید محمد یوسف نوریؒ]

دورہ قرآن حکیم:

حضرت مولانا حسین علی صاحب ہمتخدہ پنجاب میں پہلے عالم دین تھے جنہوں نے باقاعدہ درس قرآن دینا شروع کیا اور قرآن پاک کے ترجمہ کی تعلیم و تدریس پر زور دیا۔ ان کے ہاں دورہ حدیث سے کہیں زیادہ اہمیت دورہ قرآن کی تھی۔ وہ قرآنی حقیقت و مقصدیت کے ضمن میں قدیم تفاسیر پر کلی اعتماد کے قائل نہ تھے بلکہ ان کے نزدیک ان تفاسیر کے مطالعہ سے قرآن پاک کی اصل حقیقت اور مقصدیت تک رسائی نہیں ہوتی۔

[مقدمہ فیوضات حسینی ص ۱۳۲ از مولانا عبد الحمید سواتی]

ترجمہ قرآن پاک کے سلسلے میں وہ بے حد حساس تھے اور اپنے مریدین و تلامذہ کو اس طرف متوجہ کرتے رہتے تھے چنانچہ ان کے تلامذہ نے اپنے علاقوں میں درس قرآن کے حلے قائم کیے اور دورہ حدیث سے فارغ التحصیل طلباء اور علمائے کرام کو دورہ تفسیر پڑھایا۔ اس سلسلے کا سب سے کامیاب اور عالمگیر شہرت کا حامل راولپنڈی کے دارالعلوم تعلیم القرآن اور صوابی شیخ پیر دار القرآن کا دورہ تفسیر قرآن پاک ہے۔ جسے ان کے علمی جانشین شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خاںؒ (۱۹۸۰م) اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ نے شروع کیا۔ اور تقریباً نصف صدی کی محنت و اخلاص سے اسے پوری دنیا میں متعارف کرایا اور اس طریقہ سے لاکھوں مسلمانوں کی اصلاح ہوئی۔

دین و شریعت

جمع و ترتیب: مولانا مفتی محمد ایاز صاحب

دین کی ضرورت:

ماں باپ اپنے بچوں کی فطرت اور ان کی ضروریات سے سب سے زیادہ واقف ہوتے ہیں اور شیر خوار بچوں کے اشاروں کو سمجھنے میں بھی انہیں مشکل نہیں ہوتی، یہ تو خیر انسان ہے جانور اور حیوانات بھی جو گویا کی سے بھی محروم ہیں اور جن کو اشارہ کی بھی زبان نہیں آتی، ان کے ماکان اور پرورش کرنے والے بھی ان کی عادات و ضروریات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے رہنے سبھے اور کھانے پینے کا انتظام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کائنات کا خالق والک اس سستی میں بینے والی تمام خلوقات اور کائنات کا حاصل "حضرت انسان کی ضروریات، جذبات، مصالح و مفاسد اور عادات و اطوار سے اس سے زیادہ واقف ہو گا، اس لیے خود خالق کائنات انسان کے لیے جتنے بہتر اصول زندگی اور جتنا مناسب قانون حیات وضع کر سکتا ہے، یقیناً کوئی اور طاقت نہیں کر سکتی۔ نظام زندگی کو مرتب کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی علیم نہیں اور اس کے لیے قوت فیصلہ اور دنائی مطلوب ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں، اسی لیے قرآن مجید نے فرمایا کہ فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اسی کو ہے آل اللہ الْعَظُمُ۔ [انعام: ٦٣]

اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا میں انسان کے کھانے پینے، لباس و پوشاک اور دوسری ضروریات کا نظم کیا ہے، اسی طرح اس نے انسان کو اپنے نظام زندگی کے بارے میں بھی اندر ہیرے میں نہیں رکھا، کیونکہ ایک شخص یا چند اشخاص کا ایک گروہ پوری انسانیت کے جذبات، ضروریات اور فطری تقاضوں سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس سے اس بات کی بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ مختلف انسانی طبقات میں مفادات کا جو تکرار ہے اور جس سے بحیثیت انسان خود اس کے مفادات بھی متعلق ہیں، وہ ان کے درمیان عدل اور انصاف سے کام لے سکے گا، اسی لیے خدا کے رب اور حمن و رحیم ہونے کا تقاضا تھا کہ وہ انسان کو زندگی گزارنے اور جینے مرنے کا طریقہ بھی بتائے۔

اسی طریقہ کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں اللہ کے نبی اور رسول آتے رہے، حضرت آدمؑ جہاں پہلے انسان تھے، وہیں انسانوں کے بیچ خدا کے پہلے پیغمبر بھی تھے، یہ سلسلہ آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر مکمل ہو گیا، اللہ

تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے جو قانون بھیجا جاتا رہا اسی کو شریعت کہتے ہیں۔ انسان کا ابتدائی دور چوں کہ علیٰ اور تمدنی ناچیخگی کا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ اسی زمانے کے احوال کے لحاظ سے احکام دیتے رہے، پیغمبر اسلام ﷺ اس عہد میں تشریف لائے، جب انسان اپنے تہذیبی، تمدنی اور علمی کمال و چیخگی کے مرحلہ میں قدم رکھ چکا تھا، اس لیے آپ کو وہ احکام دیئے گئے جو قیامت تک باقی رہیں گے، جیسے ایک انسان کے جوان ہونے تک جسم میں بڑھو تری جاری رہتی ہے اور سال ڈیڑھ سال پر اس کے کپڑے تنگ ہونے لگتے ہیں لیکن آدمی پوری طرح جوان ہو جائے تو اب جسم کی افزائش تھم جاتی ہے اور اس وقت وہ جو بھی کپڑے سلوائے، آئندہ چھوٹے نہیں پڑتے، اسی طرح شریعت محمدی اس وقت دنیا میں آئی، جب انسان کی صلاحیت اپنے آخری مرحلہ پر آگئی، اس لیے یہ شریعت ہمیشہ کے لیے ہے اور کبھی انسان اس میں تنگ دامانی کا احساس نہیں کرے گا، قرآن کی زبان میں اسی کا نام ”کمال دین“ اور ”امان نعمت“ ہے۔ [مائدہ: ۳۰]

یہی خدا کا بھیجا ہوا نظام حیات ہے، جو ”شریعت الہامی“ یا ”اسلامی قانون“ کہلاتا ہے، یہ قانون فلاسفہ یونان کے انکار کی طرح محسن ”نظریہ“ نہیں، جس کا خواب دیکھا جاتا ہے اور اس کی تحریر کبھی دیکھنے میں نہ آئے اور نہ یہ اشتراکی نظام زندگی کی طرح کوئی ایسا قانون ہے کہ ستر سال کی معمولی سی مدت اسے بے نام و نشان کر دے، بلکہ یہ ایک ایسا متوازن، معتدل اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ نظام ہے، جس نے کم و بیش ایک ہزار سال ایشیاء، افریقیہ اور یورپ کے بڑے حصہ پر حکمرانی کی ہے، مختلف تہذیبوں اور سماجی اکائیوں کا سامنا کیا ہے اور نہایت ہی خوبی کے ساتھ ہر عہد کے مسائل کو حل کیا ہے۔ دنیا میں جب اس قانون کی آزمائش کی گئی، اس کی افادیت قانون فطرت سے مطابقت اور امن و سلامتی پیدا کرنے کی صلاحیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ بد قسمتی سے خلافت عثمانیہ، ترکی کے سقوط کے بعد سے اسلام کی حکمرانی کا وارثہ مساجد اور زیادہ سے زیادہ سماجی زندگی کے کچھ مسائل تک محدود کر دیا گیا۔ [راہ عمل]

دین و شریعت کا مفہوم:

دین کے حوالے اکثر دولفاظ سننے میں آتے اور بولے جاتے ہیں۔ ایک دین دوسرا شریعت، لیکن کم لوگ ہے جن کو یہ معلوم ہو گا کہ دین کے کیا معنی ہیں اور شریعت کا کیا مطلب ہے۔ بے پڑھے لکھے تو خیر مجبور ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ آدمی بلکہ بعض مولوی بھی یہ نہیں جانتے کہ ان دونوں لفظوں کا تھیک تھیک مطلب کیا ہے اور

ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے اکثر دین کو شریعت سے اور شریعت کو دین سے گلہڈ کر دیا جاتا ہے اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

دین کے معانی:

دین کے کئی معانی ہیں۔ ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہی اور فرمان روائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے بالکل بر عکس ہیں یعنی زبردستی، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی، تیسرا معاںی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے اور اعمال کی جزا و سزا کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظ دین انہی تین معنوں میں آیا ہے فرمایا: إِنَّ الدِّينَ عِدَّةُ اللَّهِ الْإِسْلَامُ^{۱۹} (آل عمران: ۱۹)

یعنی اللہ کے نزدیک دین وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت والا مانے اور اس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے، صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اس کے سوا کسی کا غلام، فرمان بردار اور تابع ابن کرنہ رہے، صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی سے جزا کا لائق نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے، اسی دین کا نام اسلام ہے۔

اگر اس کو چھوڑ کر آدمی نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک، اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اس کے سامنے ذلت سے سرجھا کیا، اس کی بندگی اور غلامی کی، اس کا حکم مانا اور اسکی جزا کا لائق اور سزا کا خوف کھایا تو یہ جھوٹا دین ہو گا۔ اللہ ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے، خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزت والا نہیں ہے، نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے، نہ کسی اور کی غلامی اور بندگی کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے، نہ اس مالک حقیقت کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے، یہی بات دوسری آئتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

وَمَنْ شِتَّى شِعْرَ غَيْرِ إِسْلَامٍ وَمَا لَقَلَّ نَسْأَلَنَّ يَقْبَلَ مِثْهُ

یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اسکی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا، اور اس کو جزا اوسزادینے والا سمجھے گا، اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے اس لیے کہ: **وَمَا أُمِرْتُ إِلَّاٰ يَسْجُدُوا لِلَّهِ مُحَصِّنِينَ لَهُ الدِّينُ حَتَّىٰ آتَاهُ**۔ [البینة ۵]

انسانوں کو تو خدا نے اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنے سو اسکی اور کی بندگی کرنے کا انہیں حکم ہی نہیں دیا ہے، ان کا تو فرض یہ ہے کہ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے لیے اپنے دین یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کر دیں، اور یکسو ہو کر صرف اسی کی بندگی کریں اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں۔
أَعْفَرُ دِينَ الَّذِي يَسْعَونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي الْكَوْثُرِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَحُونَ۔ [آل عمران:

[۸۳]

کیا انسان خدا کے سو اسکی اور کی غلامی اور فرمائی برداری کرنا چاہتا ہے، حالانکہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرمائی بردار ہیں اور ان ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کے لیے خدا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جانا ہے، کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالارستہ اپنے لیے نکالنا چاہتا ہے؟

هُوَ الَّذِي أَرَى سَلَّمَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَوَيْلٌ لِّلْحُسْنِ يُظْهَرُهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ [التوبہ

[۳۴]:

اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو سچے دین کا علم دے کر اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداوں کی خدائی ختم کر دے اور انسان کو ایسا آزاد کر دے کہ وہ خداوند عالم کے سو اسکی کابنده بن کر نہ رہے، چاہے کفار و مشرکین اس پر اپنی جہالت سے کتنا ہی اوپلا مچائیں اور کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔
وَقَاتَلُوكُمْ حَتَّىٰ لَا يَكُونُ قَتْنَيْمٌ وَلَا يَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ۔ [الانفال: ۳۹]

اور تم جنگ کرو تاکہ دنیا سے غیر اللہ کی فرمائی روائی کا نقٹہ مٹ جائے اور دنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے، خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے اور انسان صرف خدا کی بندگی کرے۔
اس تشریع سے معلوم ہو گیا کہ دین کے کیا معنی ہیں۔

خدا کو آقا اور مالک اور حاکم مانتا،

خدائی کی غلامی، بندگی اور تابع داری کرنا،

اور خدا کے حساب سے ڈرنا اس کی سزا کا خوف کھانا، اور اسی کی جزا کا لامچ کرنا۔

پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ ہی سے پہنچتا ہے، اس لیے

رسول ﷺ کو خدا کی کتاب مانتا اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے، جیسا کہ فرمایا:

لَيْتَ أَدْمَمْتَنِّي شَفَاعَةً مُّتَكَبِّرِيْنَ يَقْصُدُونَ عَلَيْكُمْ أَيْتَنِي قَمِنْ أَنْقَى وَأَضْلَلْ قَلَّا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَخْرُجُونَ

[الاعراف: ۳۵]

یعنی اے بنی آدم جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پر ہیز گاری اختیار کریگا اور ان کے مطابق اپنا عمل درست کر لے گا، اس کے لیے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بر اہ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجناتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطہ سے بھیجناتا ہے اس لیے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو وہ اس کی فرماں برداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اس کے رسولوں کی فرماں برداری کرے اور رسول کے ذریعہ جو احکام آئیں ان کی اطاعت کرے اسی کا نام دین ہے۔

شریعت کیا ہے؟

اب شریعت کے کہتے ہیں۔ شریعت کے معنی طریقے اور راستے کے ہیں۔ جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا اور اس کی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسول اسی کی طرف سے حاکم مجاز ہے اور کتاب اسی کی طرف سے ہے۔ تو تم دین میں داخل ہو گئے اس کے بعد تم کو جس طریقے سے خدا کی بندگی کرنی ہے، اور اس کی فرمانبرداری میں جس راستہ پر چلتا ہے، اس کا نام شریعت ہے، یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسول ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے، وہی یہ سکھاتا ہے کہ اپنے مالک کی عبادت اس طرح کرو، طہارت اور پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے، نیکی اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے، حقوق اس طرح ادا کرنے چاہئیں، معاملات یوں انجام دینے چاہئیں اور زندگی اس طرح بسر کرنی چاہیے۔

لیکن فرق یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک تھا ایک ہی رہا اور اب بھی ایک ہی ہے، مگر شریعتیں بہت سی آئیں، بہت سی منسون ہو گئیں، بہت سی بدلتی گئیں لیکن کبھی ان کے بدلتے سے دین نہیں بدلا۔ حضرت نوحؐ کا دین بھی وہی تھا، حضرت ابراہیمؐ کا تھا، حضرت موسیٰؐ اور عیسیٰؐ کا تھا، حضرت شعیبؓ اور حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؓ کا تھا اور حضرت محمد ﷺ کا تھا۔ مگر شریعتیں ان سب کی کچھ نہ کچھ مختلف رہی ہیں۔ نماز اور روزے کے طریقے کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ، حلال اور حرام کے احکام، طہارت کے قاعدے، حکایج اور طلاق اور وراشت کے قانون، ہر شریعت میں دوسری شریعت سے کچھ نہ کچھ مختلف رہے ہیں۔ ان کے باوجود سب مسلمان تھے۔ حضرت نوحؐ کے پیرو بھی، حضرت ابراہیمؐ کے پیرو بھی، حضرت موسیٰؐ کے پیرو بھی اور ہم بھی، اس لیے کہ دین سب کا ایک ہے۔ ائمۃ اُمّۃ اُمّۃ وَ ائمۃ اُمّۃ وَ ائمۃ اُمّۃ فَاعْبُدُوْنَ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام میں فرق ہونے سے دین میں کوئی فرق نہیں ہوتا، دین ایک ہی رہتا ہے چاہے، اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہوں۔

مذہبی فرقہ واریت کے اسباب

مولانا محمد تہائی بشر علوی

انسانی مزاج و مذاق کے تنوعات و فکر و نظر کی نے رنگیاں، عقل و فہم کی اونچی پیش، اسbab غور و خوض میں کھلا نقاوت اور تاثرات و احساسات کا اپنا اپنا مستقل جہاں، یہ وہ ناقابل انکار حقیقیں میں ہیں جو تعمیر مذہب کے شمن میں بھی پوری طرح جلوہ گرد کیجھی جاسکتی ہیں۔ مذہبی تعبیر کے تنوعات، انکار کا جہاں آباد کرتے ہیں تو انکار نظریہ و اعتقاد کا جزو بن جاتے ہیں۔ یوں ہر نظریہ و عقیدہ اپنے حاملین ملاش کرتا ہے۔ نتیجہ معلوم کہ مذہبی برادری مختلف عقائد و نظریات میں بٹ جاتی ہے۔ پھر بت درج یہ تنوع غلو و تعصباً کی اور یہ تعصب، تفریق و تشتت کی مکروہ صورتوں میں ظہور پذیر ہونے لگتا ہے جسے ہم تفہیم کی خاطر ”فرقہ واریت“، ”کاغذ مذہب“ کا عنوان دے سکتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جب مذہب کے نام پر خود مذہب سمیت ہر انسانی تدر خطرے میں پڑ جاتی ہیں، فرقہ واریت تجاوزات اور اس کی ہلاکت آفرینیاں! بس الامان والحقیقت! لیکن اہل مذہب اس ہلاکت آفرین اور پر خطر مقام پر کیوں پہنچے؟ اس کے بنیادی اسbab کیا تھے؟ ذیل کی سطور میں اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۱) ترک قرآن:

مذہبی فرقہ واریت کا بنیادی سبب یہی ہے کہ اہل مذہب قرآن کو خدا کے نازل کرده ایک ”نصب العین“ کے طور پر لینے کی وجہے محسن میراث میں ملی ایک ایسی کتاب کی صورت میں قبول کیے ہوئے ہیں کہ محسن اپنے نظریات کی تائید کی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ان کا معاملہ قرآن کے ساتھ یہ نہیں کہ بالکل خالیِ الذهن ہو کر آئیں اور قرآن سے عقیدہ و نظریہ کے باب میں راحنمائی لے لیں۔ بلکہ یہاں ترتیب یہ قرار پاچکی ہے کہ ہمہ دل و دماغ میں مز عوہ عقائد و نظریات پوری پیو سُنگی کے ساتھ جما کر قرآن کے حضور آیا جائے اور پھر انھیں مز عوہ عقائد و نظریات کو قرآن سے کشیدہ کرنے میں محارتوں کے جوهر دکھلائے جائیں۔ قرآن کو حق تدبیر نہ دینا وہ مجرمانہ غفلت ہے جس کا جمیاز، ”فرقہ واریت“، کی صورت میں ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ وہ عقائد جو کسی مسلمان کے لیے ضروری ہو سکتے ہیں جن پر نجات کا مدار ہے قرآن نے انھیں بیان کرنے میں کوئی ابھام چھوڑا اور نہ ہی کوئی خفا۔

یہ خیس ہو سکتا ہے رب تعالیٰ انسانیت کے نام حداہت ناہ بھجے اور اس میں انسان کی نجات کے لیے ضروری عقائد کو ہمیں نہ کرے یا اس میں کوئی اجمال و ابھام چھوڑ دے، یہاں تک کہ انسانیت گمراہی کی وادیوں میں بھلکتی پھرے۔ اس حوالہ سے قرآن صریح اور واضح ہے، اگر کوئی کمی ہے تو یہی کہ ”رجوع الی القرآن“ کو مکاہدہ اہمیت خیس دی گئی۔ یہ نہادہ مز عمومہ نظریات بھی قرآن کی تعبیر و تشریح کے نام سے رواج پاچکے ہیں لیکن ”الفرقان“ کہ جو حق و باطل میں خط انتیاز ٹھیک دے اور ”المیزان“ کہ جو تمام نظریات و عقائد کی جانچ پر کھی کسوٹی بن سکے، وہ تو بس بھر حال ”القرآن“ ہی ہے۔ قرآن افتراء سے پہنچ کے لیے ”وَاعْصِمُوا بِبَلِ اللّٰهِ“ کا نسخہ اسی لیے تجویز کرتا ہے اور ترک قرآن کے انعام سے ”وَلَا تَتَرَكُوْنَا“ کی صورت میں خبردار کرتا ہے۔

(۲) غلو:

مذہبی فرقہ و ارایت کا دوسرا نیادی سبب مذہبی معاملات میں مختلف طرح سے بر تاجانے والا ”غلو“ ہے۔ کبھی تو اپنے فہم دین کو ”الفرقان“ اور ”المیزان“ کی حیثیت دے کر سارے جہاں کی اسلامیت اور مذہبیت کو اسی کسوٹی پر لاکھڑا کر دیا جاتا ہے اور اپنے فہم سے مکراتے ہر دوسرے فہم کو گراہ، ضلال، باطل اور نامعلوم کن کن عنوانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اپنے فہم کے حوالہ سے یہ وہ بڑھا ہو اغلو ہے کہ اسلام میں اس کی تعلیم تدرکار، وہ محض رسکی طور پر بھی ساتھ کھڑا ہونے سے صاف انکاری ہے۔ ”غلو“ کے شعبوں میں ایک شعبہ ”جماعتی غلو“ کما ہبی ہے جس کا لازمی تیجہ دوسری تنظیموں اور شعبہ جات کو غیر احمد سمجھنے کا رویہ ہے۔ اس نوع کے غالی لوگ مگر ”دینی مقصد“ کی خاطر اپنائی جانے والی مخصوص ترتیب و طریق کو مقصد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور ایک وقت میں تو مقصد ان کی نگاہوں سے بالکل ہی او جھل ہو جاتا ہے۔ اسی ”غلو“ کا ایک نمونہ ”تعظیمی و مدحیاتی“ غلو کی صورت میں بھی دیکھا جاسکتا ہے، جب کسی شخصیت کی یوں تعظیم کی جائے کہ کسی دوسری بڑی حصتی کی تیقیں لازم آنے لگے یا قبل کی فضاقائم کر کے ”مدح و شنا“ کے پل باندھتے باندھتے مقابل کی تیقیں کا پھلو نکل آئے۔ ویکھیے اہل اسلام کے مرکزی مرجع و منبع محمد رسول ﷺ نے اس مدحیاتی غلو کی جڑ کیسے کاٹی فرمایا: لَا تطْرُونِي مَكَانِتَ النَّصَارَى
الْمُسْجِدِ بْنَ مَرْيَمٍ، يَعْنِي النَّصَارَى كی مانند تم بھی پیغمبر کی مدح میں اتنے آگے نہ نکل جانا کہ اللہ کی تیقیں لازم آنے لگے۔

(۳) ستمبر انہ دعوت سے اخراج:

تیسرا سب کے طور پر دعوتی نقص کو گناہ جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے پیغمبروں کی دعوت دین حمیشہ صحیح جذبہ، صحیح طریقہ اور صحیح نیت پر مبنی رہی۔ ناصحانہ اسلوب، سچی تربی، بے آمیز گھری نیت، حکیمانہ طرز، قول لین، مجاہدہ بالا حسن اور بشارت و اندزار، اس کے لوازمات سمجھے جاسکتے ہیں۔ مگر افسوس اہل مذہب نے عموماً اس مثبت اور تعمیری دعوت کی ساری چیزوں میں حلاکر کر کر دیں۔ اہل مذہب کی اکثریت کے ہاں مناظرانہ کج بھی، تقدیمی تجویزی اور کرخت لجیہ ولکار تقریباً معمول کی یقینت اختیار کر چکے ہیں۔ تیجہ معلوم کہ تلخیاں بام عروج تک جا پہنچیں۔ اب تو مختلف الخیال اہل مذہب کے مابین مباحثہ و مناظرے تک بھی پولیس انتظامیہ کی نگرانی کے بغیر تقریباً ممکن ہو چکے ہیں۔

(۴) بے محار خطابت:

بلاشہ فن خطابت اپنی ضرورت و افادیت کے پیش نظر ہر دور میں اہم رہا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خطابت ایک دودھاری تواری مانند ہے۔ اگر باقاعدہ حکمت عملی کے ساتھ اہل افراد کے ہاتھوں یہ ضرورت پوری ہوتی رہے تو عوام کے لیے ترغیب، ترصیب اور تعلیم کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس کے ذریعے رائے عالیہ کو منظم کیا جاتا ہے اور بھی خطابت جذبات کو رخ دے کر اہم مقاصد کا پیش خیہ بن سکتی ہے۔ لیکن بھی فریضہ نا اہل، ناقص العلم، بے محار خطباً انجام دینے لگ جائیں تو یقیناً عوامی جذبات کا بے دردی سے استھان شروع ہونے لگتا ہے، دلوں میں عصیتوں کے شفطہ بھڑک اٹھے ہیں۔ پھر انھیں شعلوں کی روشنی میں ”فرقہ و اریت“ کے ناجائز محلات تعمیر کر کے ان کی پیشانی پر ”قصر غیرت دینی“ لکھ دیا جاتا ہے، چنانچہ اطراف میں پھیلی فرقہ و اریت کا رنگ گھرا کرنے میں سب سے زیادہ دخل ای علم و اخلاق سے عاری منہ زور خطابت کا بھی ہے۔

(۵) بُنیٰ:

فرقہ و اریت فضاقائم بلکہ پختہ کرنے میں کار فرما عناصر میں مضبوط ترین عضر ”بُنیٰ“ ہے۔ اس مرض کے ریاض اہل مذہب معاونت کی بینا دوں پر تعمیری سفر کرنے کی بجائے معاندت کا گھاڑا ٹھائے کھلے سے موجود تعمیر کو بھی پیوند خاک کر دینا چاہتے ہیں۔ اسلام کی خاطر کوشش کسی دوسرے فرد یا جماعت گورنمنٹ سمجھنے کی بجائے اپنا فریق و حریف یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ مھلک مرض ہے جن کے ہوتے ہوئے ”وحدت امت“ کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ شاید اسی وجہ سے قرآن نے اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھا: ”کَ أَنَّ الَّذِينَ أُمِّمُوا وَأَرْجَدُوا - وَمَا أَخْتَلَ فَيْرَيْ وَالْأَلْذِيْنَ أُوْتُوا هُمْ مَنْ بَدَّ مَأْجَأَهُمُ الْأَرْعَلُ“ موجود وحدت کا جنازہ اسی بُنیٰ کے ہاتھوں لکھا تھا۔

(۶) نیم مذہبی قیادت:

کسی دینی غرض سے بنائی جانے والی تنظیموں اور جماعتوں کے لیے معقول معیار نہ ہونا بھی ”فرقہ“ واریت“ مکاسب بن رہا ہے۔ جماعت تنظیم یا تحریک کن شر اکٹپر بنی چاہیے؟ ان کے سربراہ کے لیے میراث کیا ہے؟ یہ اور اسی طرح کے دیگر لوازمات جماعت تاحال حماری سجیدہ توجہ کے مستحق نہ بن سکے۔ ”مطلوبہ دینی مقاصد“ شاید اتنے نہیں جتنی ہمارے حال تنظیموں اور جماعتوں کی بھرمار ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اکثر جماعتوں کے سربراہان اور قائدین احیلیت و صلاحیت کے اعتبار سے شاید بیسویں لائن کے لوگ بھی نہیں ہوتے، جنہیں منصب قیادت نے بھت نمایاں کر کے ”صف اول کا جزو لائیں گے“ بنارکھا ہوتا ہے۔ ”نیم ملا خطرہ ایمان“ کا عملی ظہور انہیں جماعتوں کے کئی اعتبارات سے ”نیم قائدین“ کی صورت میں ہمارے سامنے ہو چکا ہے۔ مذہب کے نام پر کسی فساد کی نشاندہی کیجیے اور اس کی بینادوں تک پہنچنے کا سفر جاری رکھیے یقیناً ہر مذہبی فساد کے پتھر کوئی نہ کوئی ”نیم“، ضرور کھڑا نظر آئے گا۔ عام اس سے کہ وہ علم میں نیم ہو یا عمل میں، اخلاق میں یا پھر چعل و حکمت کے لحاظ سے۔ بھر حال اس نیم مذہبی قیادت نے بھی ”فرقہ واریت“، کا ماحول تکمیل دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

(۷) ترجیحات کی غلط ترتیب:

انسان اعلیٰ سے اعلیٰ نظام سے والسنگی اختیار کر لے، چاہے جتنی عمدہ سے عمدہ تربیت حاصل کر لے، کبھی اپنے سے قهر و غصب کی مطلقاً نافی نہیں ہر سکتا۔ ان صفات کے خالق نے انسانی فطرت کی حقیقت کے پیش نظر یوں ارشاد فرمایا کہ ”إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَذَّابًا فَأَنْكِدُوهُ عَذَّرًا“ یعنی قوت قهر و غصب کو یوں ہی محل بے محل میں چھڑکتے نہ پہرو، بلکہ صرف و صرف شیطان اور شیطانی طاقتیوں کی طرف اپنے غصب کا رخ موڑے رکھو۔ خدا نخوستہ بھی رخامت کی طرف مڑ گیا تو ”وَحدَت“، کی کرٹوٹ جائے گی۔ اسے یوں سمجھئے کہ کچھی چھت پر جمع شدہ پانی کی پرنالہ کے ذریعہ نہ نکالا جائے تو چھت توڑ کر اندر ٹکنے لگ جاتا ہے۔ یوں ہی انسانی فطرت میں جمع شدہ غنیمہ و غصب کو اظہار کی متعین جگہ نہ ملے تو اپنے پر ہی ظاهر ہو جاتا ہے۔ دیکھئے قرآن کس پیرائے میں سمجھانا چاہتا ہے ”أَشَدُّ آءٍ عِصَمٌ الْفَارِزُ حَمَّارٌ مُّلِحَّمٌ“ یعنی شدت کارخ کفار کی طرف موزد ہے اور ترجیح افراد امت کے ساتھ زرم خو ہی رہتے ہیں۔ اصحاب محمد ﷺ ایضاً مرضوان اسی حقیقت کا مظہراً تھے، اسی مقصد کے لیے ضروری تھا کہ حماری ترجیحات ”اسلام“ کی بیناد پر ترتیب دی جائیں۔ اس سے لازماً ”اسلامی عصیت“، کا ظہور ہوتا جس کا لازمی تھی کفر سے نفرت ہوتا لیکن یہاں ترجیحات مسلک کی بیناد پر طے کی گئیں، جس کی کوکھ سے خوفناک مسلکی تعصب نے جنم لیا اور بھی تعصب قینچی بن کر

امت کی وحدت کو مسلسل کا شاپنگ لایہ۔ سوا حل مذہب کو اپنی مذہبی ترجیحات اسلام کی بنیاد پر طے کرنی ہوں گی۔

(۸) اسوہ سلف کو ملحوظ رکھنا:

اصل مذہب جن عظیم صفتیوں سے اپنی نسبتوں کا دم بھرتے تھیں تھکتے علماء مذہبی اختلافات کے مرحلہ میں ان کے اسوہ کو ملحوظ تھیں رکھتے۔ جنگ صفين کے موقع پر اختلاف کے باوجود روایوں کی ناپاک خواہش کا جو جواب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا اس جواب کا ایک ایک لفظ ”مقاصد شریعت“ پر گھری نظر اور شرعی تقاضا بدلتے تھی حکمت عملی بدل لینے کی طرف راصنمائی کرتا ہے یعنی اگر کفر نے حملہ کیا تو تقاضا علی رضی اللہ عنہ سے اتحاد کا ہو جائے گا، جس کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نہ صرف اتحاد کر لے گا بلکہ بطور سپاہی اپنی تمام تر قوائیاں کفر کے خلاف صرف کر دے گا۔

(۹) اشاعت کا غیر محتاط اسلوب:

فرقہ دوایت کا پودا تاوار درخت سے پکھلے غیر محتاط لڑپچر سے خوب پانی چوس لیتا ہے۔ یہی غیر محتاط لڑپچر ناصل خطبا کو آب و دار، مھیا کرتا ہے، یوں خطبیاں جو اہر اپنے کمال تک پکھنے سے پکھلے ”فرقہ داریت“ کو کمال تک پکھنے دیتے ہیں۔ غیر ضروری اختلافی مسائل کی عوام میں اشاعت طعن و تشنیج پر مشتمل جارحانہ طرز تحریر، مخالف پر طبیہ فقرے چست کرنے کی ریت وغیرہ ذالک امور، مذہبی لڑپچر کا ناگزیر حصہ بن کر بدترین پھوٹ کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

(۱۰) مشترکات کو نظر انداز کرنا:

مذہبی روایت میں مختلف یا مختلف نظریہ کے حامل افراد کے محاسن عموماً بلکہ کلمتا نظر انداز کر لیے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کامذہبی ذہن کرید کریں کرو جوہ نزاع نکالنے میں بڑی دلچسپی سے مگن رہتا ہے، یوں صلاحیتیں تحریب میں کھپنے لگتی ہیں۔ اسی اختلاف کی تلاش کا شہ اور تضليل و تفسیق کا جزو مشترکات کی طرف متوجہ ہونے سے مانع رہتا ہے، حالانکہ امت میں شامل افراد اور جماعتوں کے مابین اسی اساسات اتفاق ضرور پائی جاتی ہیں جن پر وحدت امت کی بنیادیں اٹھائی جا سکتی ہیں۔ آج ”مکار لاؤ الی کلینہ سو آئیں ناؤ سیئنکم“، میں موجود تھی حدایت اپنے ماننے والوں سے عمل درآمد چاہتی ہے۔
(بکریہ ماہنامہ الشریعہ گجرانوالہ)

سیکھنے کی بات:

ڈائری کا استعمال

اہمیت افادیت اور طریقہ کار

مولانا حشمت علی صافی

ہر آدمی کا دن بھر میں مختلف کاموں اور افراد سے واسطہ پڑتا ہے، پھر اسی طرح اس آدمی کی مختلف فہریاں ہوتی ہے۔ ذاتی ضروریات و فہریاں سے لیکر اجتماعی فہریاں داریوں تک۔ گھر کی مصروفیات سے لیکر دفتری، بازاری اور دیگر مصروفیات تک۔ الغرض اس طرح کاموں مصروفیات، اشخاص، فہریاں، تعلقات اور مسائل کی ایک لمبی فہرست بن جاتی ہے۔ دوسری طرف انسان کی کمزوری اور دیگر عوارض کی وجہ سے اکثر باتیں بول جاتی ہے جبکہ مختلف کام، فہریاں، تعلقات اور مسائل زندگی میں بعض اتنی اہم باتیں شامل ہوتی ہیں کہ اگر آدمی اس کو آج کرنا بھول جائے تو اس کو کل سرانجام دینا ضرور ہو جاتا ہے اور بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

موجودہ دور کے اس مشینی زندگی اور لالاعداد مصروفیات کو تب ہی اچھے طریقے سے سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ جب آدمی اس کو بخطیر تحریر میں لا سکیں۔ اس کا بھتر طریقہ یہ ہے کہ آدمی ڈائری میں ان تمام امور کو لکھنے کی عادت بنائے۔ لہذا ذیل میں ڈائری کے استعمال کے حوالے سے چند اہم گزارشات پیش خدمت ہیں۔

○ سال کے شروع میں آپ پورے سال کے اہم اہم امور کو لکھ کر ان کاموں کے لیے ابھی سے تھینہ کا تعین کر لیں کہ فلاں ماہ میں یہ کام سرانجام دینا ہے۔

اور اس طرح ہر ماہ کی ابتداء میں اہم امور کے سرانجام دینے کیلئے ایام کا تعین کیا جائے۔

○ روزانہ دن کی ابتداء میں یعنی صبح سے آج کے دن میں سرانجام دینے والے امور کو سوچ کر لکھا جائے۔

○ اگر آپ کی دن بھر میں مختلف فہریاں داریاں ہیں تو ڈائری کے صفحے میں اوپر کا حصہ ایک قسم کے کاموں کی یاداشت کے لیے، نچلا حصہ دوسری قسم کے کاموں کے لیے جبکہ اس صفحے کی پشت پر تیسرا قسم کی فہریاں لکھی جاسکتی ہیں۔

- یاد رکھئے مختلف کام صرف ڈاڑھی میں لکھنے سے سرانجام نہیں پاتے، جب تک اپنے دن بھر کے اووقات میں اسی ڈاڑھی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی مصروفیات کو ترتیب نہ دیا جائے۔
- اس لیے ضروری ہے کہ دن میں مختلف اووقات میں ڈاڑھی پر سرسری نظر سے یاداشت میں لکھی ہوئی باتیں تازہ کی جاسکتی ہیں۔
- آپ یہ عزم کر لیں کہ جو کام آپ نے ڈاڑھی میں لکھا ہے اس کو آج ہی مکمل کیا جائے گا کیونکہ مشورہ مقولہ ہے کہ عقائد و کاروبار کے رجسٹر میں کل کا لفظ ختم ہوتا۔
- یعنی اگر آج کا کام بغیر کسی عذر کے چھوڑ دیا جائے تو کل کے لیے بوجھ بن جاتا ہے۔
- آپ نے ڈاڑھی میں جو کام لکھا ہے جب وہ کام پایا ہے مجھیں تک پہنچ جائے تو اس پر نشان لگا لیں۔
- اگلی صبح پر انی فہرست کو سامنے رکھ کر آج کے دن کی دوبارہ ڈاڑھی بنائی جائے جو کام کسی وجہ سے رہ گئے ہوں، آج کی ڈاڑھی میں ان کو دوبارہ تحریر کیا جائے۔
- اس طرح ہفتے میں ایک مرتبہ پورے ہفتے کے پچھلے دنوں کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے کی وجہ سے رہ جانے والے کام یاداشت میں لا کر پایا ہے مجھیں تک پہنچانے کے لئے منصوبہ بندی کر کے ڈاڑھی میں تحریر کریں۔
- اس مقصد کے لیے ایک چھوٹی سی جیبی سائز ڈاڑھی اور ہمین ہر وقت آپ کی جیب میں موجود ہونی چاہیئے۔
- آئیے اپنی زندگی کو منظم و مفید بنانے کے لیے آج سے ڈاڑھی کے استعمال کا عزم کریں۔

مجھے پڑھئے

”محلہ تبلیغ القرآن“ مخصوصہ نہیں بلکہ یہ اصلاح عقائد و اعمال، تطہیر قلب، تعمیر فکر و کردار، تعلیم و تربیت اور دعوت و اقامۃ دین کی ایک تحریک ہے۔

دین کے اس عظیم مقصد اور مشن میں ہی ساتھ دیتے ہوئے ”محلہ تبلیغ القرآن“ کے خود بھی قاری بنے اور دوسروں کو بھی اس کے پڑھنے کی دعوت دیں۔

خواتین اسلام سے مطالبات

ناظمہ شبہ خواتین

یہ بات ہمیں صرف مردوں ہی سے نہیں کہنی ہیں، بلکہ عورتوں سے بھی بھی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔ ہم عورتوں سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی شخصیتوں کو مردوں کی شخصیتوں میں گمنہ کر دیں۔ اپنے دین کو مردوں کے حوالے نہ کریں۔ وہ مردوں کا ضمیمہ نہیں ہیں، ان کی اپنی ایک مستقل شخصیت ہے۔ عورتوں کو بھی مردوں ہی کی طرح اللہ کے رو برو پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال و افعال کا خود حساب دینا ہے۔ قیامت کے روز ہر عورت اپنی ہی قبر سے اٹھے گی۔ اپنے باپ یا شوہر یا بھائی کی قبر سے نہیں اٹھے گی۔ اپنے اعمال کا حساب دیتے وقت وہ یہ کہہ کر نہ چھوٹ جائے گی کہ میرا دین میرے مردوں سے پوچھو، اپنے طریق زندگی کی وہ خود ذمہ داری ہے، اور اسے اللہ کے سامنے اس بات کی جواب دہی کرنی ہو گی کہ وہ جس طریقہ پر چلتی رہی، کیا سوچ کر چلتی رہی۔ لہذا ہم عورتوں کا سوال مردوں کے سامنے نہیں، خود عورتوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنی راہ زندگی کافیلہ تم خود کرو اور اس امر کا لحاظ کیے بغیر کرو کہ تمہارے مردوں کافیلہ کیا ہے؟ اسلام تمہیں اپنے دین کی حیثیت سے پسند ہے یا نہیں؟ اس کے اصول، اس کے حدود، اس کی عائد کی ہوئی پابندیاں، اس کی ڈالی ہوئی ذمہ داریاں، غرض ساری ہی چیزیں دیکھ کر فیصلہ کرو کہ وہ تمہیں قبول ہے یا نہیں؟ اگر ان سب چیزوں کے ساتھ اسلام قبول ہے تو سچے دل سے اس کی پیروی کرو، ادھورے نہیں بلکہ پورے اسلام کو اپنادین بناؤ اور پھر جان بوجھ کر اس سے اخراج نہ کرو اور اگر قبول نہیں ہے تو شرافت اور سچائی اسی میں ہے کہ صاف صاف اور اعلانیہ اسے چھوڑ دو اور اس کے نام سے ناجائز فاکرہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔

یہ بات ایک مدت سے ہم کہہ رہے ہیں، اور آپ کو اگر ہمارے لٹریچر دروس، بیانات اور مجالس نے کاموں ملا ہو آپ اس سے مطلع ہوں تو آپ بھی اس بات کو جانتی ہوں گی کہ ہم نے ہمیشہ اپنے ساتھیوں اور رفیقوں سے بھی کہا ہے کہ آپ گھر کی عورتوں، ماں، بہنوں، بیویوں، بیٹیوں پر اسلام کی تبلیغ ضرور کریں، ان کو دین، قرآن و سنت

کی تعلیمات سے ضرور بخبر رکھو، مگر اللہ کے لیے انہیں قوامیت کے زور سے اپنی خواہش کی طرف نہ کھینچیں۔

آپ کے فرائض:

اس طرح سوچ سمجھ کر جو خواتین بطور خود اسلام کو اپنادین بنائیں، ان کو ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے کرنے کے کام کیا ہیں۔

آپ کا پہلا کام:

یہ ہے کہ اپنی زندگی کو اسلام کے ساتھ میں ڈھالیں، اور اپنے اندر سے جاہلیت کی ایک ایک چیز کو چن چن کر نکالیں۔ اپنے اندر یہ تمیز پیدا کریں کہ کیا چیزیں اسلام کی ہیں اور کیا چیزیں جاہلیت کی ہیں۔ پھر اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور بے لوث محاسبہ کر کے دیکھیں کہ اس میں جاہلیت کا تو کوئی اثر نہیں پایا جاتا۔ ایسے جواہرات بھی ہیں ان سے اپنی زندگی کو پاک کیجئے اور اپنے خیالات کو، اپنی معاشرت کو، اپنے عقائد کو، اخلاق کو اور اپنے پورے طرز عمل کو دین کے تابع کر دیجئے۔

آپ کا دوسرا کام:

یہ ہے کہ گھر کی فضائوں کو درست کریں۔ اس فضائیں پر اپنی جاہلیت کے جو غلط عقائد اور رسماں میں چل آ رہی ہیں۔ ان کو بھی نکال باہر کریں اور نئے زمانہ کی جاہلیت کے جواہرات انگریزی دور میں ہمارے گھروں میں داخل ہو گئے ہیں انہیں بھی خانہ بدر کریں۔ اس وقت ہمارے گھروں میں پرانے زمانہ کی جاہلیت اور نئے زمانہ کی جاہلیت کا ایک عجیب مرکب راجح ہے۔ ایک طرف توه روشن خیالی ہے جو ہماری مسلمان خواتین کو فرنگیت زدہ شکل میں لارہی ہے اور دوسری طرف اس روشن خیالی کے ساتھ ساتھ پرانے زمانہ کے جاہانہ تحریکات، مشرکانہ عقیدے اور غیر اسلامی رسماں بھی ہماری معاشرت میں برقرار ہیں۔ اب جن خواتین کو اپنے ایمانی فرائض کا احساس ہو جائے ان کا کام یہ ہے کہ پرانی جاہلیت کی رسماں اور تصورات کو بھی چن کر گھروں سے نکالیں اور نئے زمانہ کی جاہلیت کے ان مظاہر کا بھی خاتمہ کریں جو فرنگی تعلیم اور انگریزی تہذیب کی انہی تقلید کی بدولت گھروں میں گھس آئے ہیں اپنے گھروں کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے منور کریں۔

آپ کا تیراکام:

یہ ہے کہ اپنے بچوں کو اسلامی طرز پر تربیت دیں۔ ہماری نسل میں اس لحاظ سے بڑی بد قسمت ہیں کہ گھروں کے اندر کبھی قرآن کی آوازان کے کانوں میں نہیں پڑتی اور نہ وہ اپنی آنکھوں سے گھر کے لوگوں کو کبھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہمارے بڑے اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ مجھن میں وہ اپنے گھروں میں قرآن کی آواز سننے تھے اور اپنے بڑوں کو نماز پڑھنے دیکھتے تھے۔ ان کے گرد و پیش میں بہر حال کچھ نہ کچھ آثار دین کے باقی تھے لیکن موجودہ نسل کی اکثریت کی یہ بد قسمتی انہا کو پہنچ گئی ہے کہ گھروں کی جس فضائیں وہ پروردش پار ہی ہے اس میں نہ قرآن کی آواز کبھی گو نجت ہے نہ نماز کا منظر کبھی سامنے آتا ہے۔ اگر ہمارے گھروں کا یہی حال رہا اور نسل میں اسی طرح غلط تربیت حاصل کرتی رہیں تو جب زندگی کی باغِ دوڑاں کے ہاتھوں میں آئے گی اس وقت شائد اسلام کا نام بھی باقی نہ رہ سکے گا۔ آپ اب اس صورت حال کو ختم کریں اور اس فکر میں لگ جائیں کہ گھروں کی معاشرت میں روزمرہ کے رہن میں، زندگی کے مختلف معمولات میں اسلام نمودار ہو، اور وہ ہمارے بچوں کو آنکھوں کے سامنے چلتا پھر تا اسلام نظر آئے۔ بچے اسے دیکھیں، اس کا مزہ چکھیں اور اس سے اثر قبول کریں۔ ان کے کانوں میں بار بار قرآن کی آواز پڑے۔ وہ دن میں پانچ مرتبہ گھر میں نماز کا منظر دیکھیں، پھر وہ اپنی نظرت کے تحت اپنے بڑوں کی تقلید کریں، اور انہیں نماز پڑھنا دیکھ کر خود بخود ان کی نقل اتاریں۔ وہ توحید کا پیغام سیں وہ عبادت کا مدد عاًسی گھیں، اسلام کا نقش ان کے دلوں پر قائم ہو، ان کی عادات درست ہوں، ان کے اندر اسلامی ذوق پیدا ہو۔ نئی نسل کے لیے یہ سب کچھ ہمیں درکار ہے، پس وہ تمام عورتیں جو اسلام کو قبول کریں انہیں چاہیے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنی گودوں اور اپنے گھروں کو مسلمان بنائیں تاکہ ان میں ایک مسلمان نسل پر وان چڑھ سکے۔

آپ کا چوڑھا کام:

یہ ہے کہ اپنے گھر کے مردوں پر اثر ڈالیں، اور اپنے شوہروں، باپوں، بھائیوں اور بیٹیوں کو اسلام کی زندگی کی طرف بلاعیں۔ عورتوں کو نہ معلوم یہ غلط فہمی کہاں سے ہو گئی ہے کہ وہ مردوں کو متاثر نہیں کر سکتیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں پر بہت گھرے اثرات ڈال سکتی ہیں۔ مسلمان لڑکی اگر یہ

کہنے لگے کہ اس کو محمد ﷺ اور ابو بکرؓ کی شکل پسند ہے اور چرچل اور مروین کی شکل پسند نہیں ہے، تو آپ دیکھیں گی کہ کس طرح مسلمان نوجوانوں کی شکلیں بدلتی شروع ہو جائیں گی۔ مسلمان عورت اگر کہنے لگے کہ اسے کالے "صاحب لوگوں" کا طرز زندگی مرغوب نہیں ہے بلکہ اسے اسلامی زندگی مرغوب ہے جس میں نماز ہو، روزہ ہو، پرہیز گاری اور حسن اخلاق ہو، خدا کا خوف اور اسلامی آداب و تہذیب کا لحاظ ہو تو آپ کی آنکھوں کے سامنے مردوں کی زندگیاں بدلتے لگیں گی۔ مسلمان یوں اگر صاف صاف کھل کر کہہ دے کہ اسے حرام کی کمائی سے سجائے ہوئے ڈرائینگ روم پسند نہیں ہیں، رشوٹ کے روپے سے عیش و عشرت کی زندگی بسرا کرنا گوارا نہیں ہے، بلکہ وہ حلال کی محدود کمائی میں روکھی سوکھی روٹی کھا کر جھونپڑے میں رہنا زیادہ عزیز رکھتی ہے، تو حرام خوری کے بہت سے اسباب ختم ہو جائیں گے اور کتنی ہی راجح الوقت خرایوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

اسی طرح پر اگر وہ تمام یہیں جنہوں نے اسلام کو اپنے لیے دین تسلیم کر لیا ہے، اصلاح احوال کی مہم شروع کر دیں تو وہ اپنے اعزہ و اقرباء، اپنے خاندان کے لوگوں اور اپنے میل ملاپ رکھنے والے گھر انوں کو بھی بہت سی خرایوں سے بچا سکتی ہیں اور پرانی جاہلیتوں سے پاک کر سکتی ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ زم شیریں طریقے سے اپنے عزیزوں اور ملنے والوں کے سامنے جاہلیت کے طریقوں پر تقدیم کریں، انہیں اسلام کے احکام سمجھائیں، ان کو اسلام کے حدود سے آگاہ کریں اور خود بھی اسلامی حدود کی پابندی کر کے اپنا صحیح نمونہ ان کے سامنے پیش کریں۔ یوں اگر کام کیا جائے تو ہماری سوسائٹی کا پورا ڈھانچہ درست ہو سکتا ہے۔

ایک فیصلہ طلب سوال:

اب اگر آپ نے اسلام فی الواقع اپنے لیے پسند کر لیا ہے تو آپ کے سامنے یہ سوال دو ٹوک فیصلہ کے لیے آن کھڑا ہو گا کہ آیا آپ جاہلیت کی پیروی اور اسلام سے بغاوت میں اپنے غلط کار مردوں کی رفاقت کرنے کے لیے آمادہ ہیں یا نہیں؟ اگر آپ نے واقعی اسلام کو پسند کر لیا ہے، تو پھر آپ کو اس سوال کا جواب لازماً نہیں میں دینا ہو گا۔ آپ کے لیے یہ ہر گز مناسب نہ ہو گا کہ دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے آپ خود اپنی عاقبت خراب کر لیں۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزُلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدًا ذَهَبَ أَخْرَى مَيِّدَةً لِذِي أَغْيَرِهِ۔

”قیامت کے روز بدترین حال اس شخص کا ہو گا جس نے دوسرے کی دنیابنانے کی خاطر اپنی عاقبت خراب کر لی۔“

لہذا آپ اپنے مردوں کی دنیابنانے کی خاطر اپنی عاقبت خراب کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں۔ مسلمان خاتون ہونے کی حیثیت سے آپ شوہر، باپ، بھائی اور بیٹی، ہر ایک پر یہ واضح کر دیں کہ ہم اسلام کے اتباع میں آپ کی رفاقت کر سکتی ہیں لیکن اگر آپ کو اسلام کے حدود کی پابندی گوارا نہیں ہے تو آپ جانیں اور آپ کا کام، ہم آپ کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ آپ کی دنیا کے لیے اپنی آخرت بگاثر نے پر ہم تیار نہیں ہیں۔ دوسری طرف جن خواتین کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے خدا اور رسول کی پیروی کرنے والے ہوں، ان کا کام یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ دیداری، دین و تحریک کے کام میں پورا تعاون کریں اور تکلیفوں میں ان کا ساتھ دیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو شخص اسلام کی حدود کے اندر رہنے کا فیصلہ کرے گا وہ دولت کے کمانے میں ہر طرح کے مال پر ہاتھ نہیں مار سکتا۔ وہ حرام خوری نہیں کر سکتا۔ وہ حلال کی تھوڑی کمائی پر قناعت کرنی چاہیے۔ عیاشی کے سامان فراہم نہیں کر سکتا، پس مسلمان خاتون کو حلال کی تھوڑی کمائی پر قناعت کرنی چاہیے۔ اسلام پر چلنے والے باپوں، شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہیے کہ وہ ان کے لیے عیش و عشرت اور لطف ولذت کے سامان فراہم کریں۔ اسی طرح دین حق کی اطاعت اور اس کو قائم کرنے کی کوشش میں مردوں کو بہت سی تکلیف کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور مسلمان خواتین کا فرض ہے کہ ان تکالیف میں اپنے حق پرست مردوں کی سچی رفیق ثابت ہوں۔

ہر قسم جادو سے حفاظت کے لئے

حضرت کعب الاحبار فرماتے ہیں کہ چند کلمات اگر میں نہ کہتا تو یہود مجھ سے گدھا بنا دیتے۔ کسی نے پوچھا وہ

کلمات کیا ہیں، انہوں نے بتایا:

أَعُوذُ بِوَجْهِ اللَّهِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَيْسَ شَيْءٌ أَعْظَمُ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَاتِ الَّتِي لَا يُجَاهِدُهُنَّ بَرْ وَلَا فَاجِرٌ وَبِأَسْمَاءِ اللَّهِ الْمُحْسَنِي مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ أَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ۔ [مکملۃ، مظاہر حق جدید]

مسلمان معلم کے چند اوصاف

مولانا عبدالباری راسخ

معلم کا منصب اور عہدہ نہایت ہی اعلیٰ اور بہتر منصب ہے قرآن پاک میں تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور ان کے تبعین کے صفات میں یہی صفت نمایاں طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ الاعمران ۶۱۔ لیکن کوئُوازِ لہبپنی بِمَا كُنْثَمْ شَعَّرُونَ
اللَّذِبْ وَبِمَا كُنْثَمْ شَعَّرُونَ۔ [آل عمران: ۶۱]

ترجمہ: لیکن یوں کہہ کے تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے کتاب اور جیسا کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اُسے۔

اسی طرح قرآن پاک نے نبی اخرا زمان محمد رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصی کا تذکرہ کرتے ہوئے تعلیم
اللَّتَّابَ کی ذمہ داری کا بیان کیا ہے۔ وَ يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ [بقرہ: ۱۲۹] اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے: إِنَّ آبَرُ ثُرَاثَ مُعْلِلٍ
”میں معلم بنانے کے بھیجا گیا ہوں“

ان آیات اور حدیث سے معلم کا یہ مقام اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے اور کہ ایک مسلمان معلم انبیاء کرام کے ساتھ اس صفت میں شریک ہے جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔ لیکن یہ مقام اور مرتبہ تبلیغ معلم
جامع الاصف ہو، ان اوصاف کا حامل ہو جو ایک مسلمان معلم کے لیے تعلیم دیتے وقت ضروری اور لازمی ہیں
۔ ذیل میں ان اوصاف کا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ ربانی اور مختصر ہونا:

ایک مسلمان معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ربانی ہو یعنی معلم کا تعلیم و تدریس، عبادت و طاعت گزاری سے مطیع نظر اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ جب معلم خود ربانی ہو گا تو وہ اپنے طلباء کی بھی ایسی تربیت کرے گا کہ وہ بھی ربانی بھیں اور ان میں بھی اخلاق پیدا ہو اسی طرح اگر ربانیت اور اخلاق نہ ہو تو تعلیم و تدریس کا شعبہ دوسرا

معلمین و نظمیں کے ساتھ حمد و کینہ اور غرور و تکبیر کا سبب ہتا ہے بلکہ بعض اوقات اپنے متعلم اور شاگرد کے ساتھ بعض و حسد تک نوبت پہنچتی ہے۔ ربانیت اور اخلاق یہ بھی ہے کہ مسلمان معلم کا تعلیم و تدریس سے مقصود ایک اسلامی معاشرے کی تشكیل اور معاشرہ کے لیے بہترین افراد تیار کرنا ہو۔

۲۔ صابر ہونا:

تعلیم و تدریس کے وقت پیش آنے والے مصائب اور مشقت کو برداشت کرنے والا ہو۔ کیونکہ طلباء ایک جیسے ذہین نہیں ہوتے بعض اوقات ایک مسئلہ بار بار تکرار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ ایک مشکل کام ہے لیکن معلم میں ان سب چیزوں کی برداشت ہو گی۔ جب تک طالب علم مسئلہ نہ سمجھے اس وقت تک معلم آگے نہ بڑھے۔ اسی طرح معلم کو طلباء کی طرف سے دوسری نامناسب ایسی پاؤں کو بھی برداشت کرنا ہو گا جو معلم پر گراں گز رے۔ کیونکہ طلباء پنے اولاد کے مانند ہوتے ہیں اور اولاد کی تربیت میں والدین محبت اور شفقت سے کام لیتے ہیں۔

۳۔ اپنی معلومات کو معمولات بنانا:

مسلمان معلم جس چیز کی تعلیم دیتا ہے اگر اسکا تعلق عمل سے ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس پر خود عمل کر کے اپنے طلباء کے لیے ایک بہترین نمونہ بنے کیونکہ علم کا ایک اہم مقصد عمل ہی ہے اگر معلم خود عمل میں کوتاہی کرے گا تو طلباء پر اسکی تعلیم و تدریس کا مفید اثر نہ ہو گا بلکہ وہ بھی عمل کے لحاظ سے ست ہوتے جائیں گے اور علم صرف معلومات کی حد تک محدود ہو جائے گا جو کہ اسلامی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے کیونکہ اسلامی تعلیم کے مقاصد میں ایک اہم مقصد عمل کر کے رضاء الہی حاصل کرنا ہے۔

۴۔ اپنے علم میں بڑھو تری اور ترقی کا شوق رکھنا:

معلم کا ایک لازمی و صفت یہ ہونا چاہیئے کہ وہ جو بھی فن پڑھاتا ہو وہ اس میں ماہر ہو محدود معلومات پر اکتفاء نہ کرتا ہو بلکہ حتیٰ اوسع اپنے فن میں ترقی کرنے کا شوق اور جذبہ اس کے دل میں ہو۔ محدود معلومات

پر استفقاء کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ طلباۓ کا اپنے معلم اور استاذ کے اوپر اعتماد ختم ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے معلم کو طلباۓ شک کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ استاذ جو کچھ پڑھا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی وہ صحیح مہارت نہ رکھتا ہو۔ جس کی بدولت طلباۓ استفادہ کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

۵۔ طلباۓ کو قابو رکھنا:

معلم کا ایک لازمی و صفت یہ بھی ہے کہ طلباۓ کے ساتھ حد سے زیادہ سختی بھی نہ کرے ایسا نہ ہو کہ وہ تنفس ہو جائے۔ اور نہ ہی زیادہ نرمی اور گپٹ شپ کا ماحول بنائے کہیں ایسا نہ ہو کہ استاذ اور شاگرد کے درمیان جو تعلق ہے وہ ایک عوایی ساتھ نہ بنے بلکہ معلم کو چاہیے کہ سختی کے موقع پر سختی سے کام لیں اور نرمی کے وقت پیار و محبت سے پیش آئے۔ جہاں پر تسامح سے کام بنتا ہو وہاں شدت نہ کرے اور جہاں شدت سے کام بنتا ہو وہاں تسامح اور تجاحل سے کام نہ لیں۔

۶۔ طلباۓ سے یکساں رویہ ہونا:

معلم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تمام طلباۓ کو ایک نظر سے دیکھے اور تمام طلباۓ سے ایسا رویہ اختیار کرے جس سے وہ تمام طلباۓ کا محبوب بنے۔ طلباۓ کے درمیان تفریق کا رویہ اختیار کرنے سے گریز کرے البتہ اگر کوئی طالب العلم زیادہ محبت اور حوصلہ افزائی کا حقدار ہو تو اس کے ساتھ بھی محبت کا اظہار ایسے طریقے سے کرے جس سے دوسرے طلباۓ پر غلط اثر نہ پڑے اور ان کو یہ محسوس نہ ہو کہ ہمارے استاذ طلباۓ کے درمیان فرق روا رکھتے ہیں۔

۷۔ دوران درس طلباۓ کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھنا:

چونکہ معلم کا مقصد اپنی معلومات اپنے طلباۓ کو منتقل کرنا اور انہیں سمجھانا ہوتا ہے اس لیے معلم ایسا انداز اختیار نہ کرے کہ طلباۓ صرف سنتے رہیں اور سمجھ کچھ بھی نہ آئے بلکہ طلباۓ کی ذہنی سطح کو دیکھ کر سبق پڑھانا چاہیے اور مشکل سبق کو بھی آسان انداز میں پڑھانا چاہیے۔ معلم کی تدریس کا مقصد اپنے علم کو جتنا اور اپنے علم میں پختگی لانے کی بجائے اپنے پیارے طلباۓ کے فائدے کو مد نظر رکھ کر سمجھانا اور پڑھانا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ کی توفیق عطا فرمائیں۔ [ماخوذ من اصول التربیۃ الاسلامیۃ و اسالیبها]

استاد--باغبان اور کسان

ترتیب بنیادی اصول کو سمجھانے کے لیے صرف ایک مثال "فصل اور کسان،" کی ہے۔ نیچ کے اندر پودا بننے کی ایک پوشیدہ صلاحیت ہوتی ہے۔ صرف کسان ہی اس پوشیدہ صلاحیت کو بیدار کر کے اسے پودا بناتا ہے۔ دوسرے لوگ تو نیچ کو آٹابنا دیں گے یا اس کا تیل نکالیں گے یا پھر اسے پا کر کھائیں گے اپنی اولاد۔ اپنے شگردوں یعنی نسل نوکی ترتیب کے لیے کسان کو اپنے لیے مثال بنانا ہوگا۔ کسان زمین کو تیار کرتا ہے، پھر اس میں نیچ بوتا ہے اور پانی دیتا ہے کسان کی کوشش میں فطرت مدد کرتی ہے اور نیچ کے اندر پودا بننے کی صلاحیت پر وان حاضر ہنا شروع ہوتی ہے اور چند دنوں بعد اس میں سے نہی منی جبڑیں اور چھوٹا سا تنائفل آتا ہے۔ کسان کا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔

مطلوب بپودوں کے ساتھ جبڑی یوٹیاں اور فلتوبوڈے بھی اگن شروع ہو جاتے ہیں۔ کیڑے مکوڑے بھی جملہ اور ہوتے ہیں۔ کسان اپنے مطلوب بپودوں کو ان سب سے بچاتا ہے۔ گوڑی کرتا ہے، کھاد اور پانی دیتا ہے تاکہ مطلوب بپودوں کو متوازن خواراک ملے۔ وہ اپنے کھیت میں کوئی ایسی چیز رداشت نہیں کرتا جو اس کے بپودوں کے لیے مضر ہو۔ جو کسان اور ماغل ان جو کنارہ تاے، اسے کھست اور ماغر نظر رکھتا ہے، نقشان

تبليغی جماعت

ڈاکٹر محمد شاہد رفیع



تبليغی جماعت سے وابستہ افراد کے قول کے مطابق یہ کوئی جماعت نہیں، بس دین کا کام ہے جیسے مسجد سے اذان ھوتی ہے تو لوگ اپنے کام چھوڑ کر کچھ دیر کے لیے مسجد آتے ہیں، نماز پڑھ کر واپس اپنے کاموں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح لوگ تبلیغ کے لیے کچھ وقت نکلتے ہیں اور پھر واپس اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ اس لیے تبلیغی جماعت کا تاسیسی اجلاس، امیر کا انتخاب وغیرہ قسم کی باتیں یہاں سننے کو نہیں ملتیں۔

مولانا محمد الیاسؒ کی رہنمائی میں جماعتیں نکلنے کا سلسلہ ۱۹۲۷/۱۹۲۶ میں شروع ہوا۔ مغرب کے بعد گشت کیا۔ (مولانا محمد الیاس) ساتھ ساتھ پھرتے رہے اور وہ لوگ اپنے طریقے سے گشت کرتے رہے۔ کئی بے نمازیوں کو مسجد پہنچایا۔۔۔ یہ بات تقریباً ۲۷-۲۸ (۱۳۳۵ھ) کی ہو گی۔ آپ (مولانا الیاس) نے مدینہ منورہ سے مراجعت فرمائی۔ پانچ مہینے حرمین میں قیام رہا۔ ۲۱ اربیع الثانی ۱۳۳۵ (۱۹۲۶ء) کو کاندھلہ والی ہوئی۔ حج سے واپسی پر مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دیا۔ باñی:

تبليغی جماعت کے باñی مولانا محمد الیاسؒ تھے۔ آپ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام اختر الیاس ہے کاغذات میں آپ نے ابتداءً محمد الیاس اختر نام بھی استعمال کیا ہے۔ پستہ قد گندی رنگ لگا گئی جسم لیکن چاق و چوبند، داڑھی گھنی اور سیاہ تھی، صرف چند بال سفید ہوئے تھے اور وہ بھی قریب دیکھنے پر نظر آتے تھے۔ جھرہ سے تفکرو ریاضت اور پیشانی سے عالمی ہمتی نمایاں تھی۔ زبان میں کچھ لکھت تھی لیکن آواز میں قوت اور جوش تھا۔

بیعت و ترسیکہ:

مولانا محمد الیاس کے پر نام مولانا مظفر حسین حضرت شاہ محمد اسحاق دھلوی کے عزیز شاگرد اور شاہ محمد یعقوب دھلوی کے مجاز تھے۔ مولانا مظفر حسین کے حقیقی چچا مفتی الحنفی بخش کاندھلی، حضرت شاہ عبدالعزیز کے ممتاز شاگرد اور مرید تھے پھر وہ اپنے شیخ کے خلیفہ سید احمد شہید بریلویؒ سے بیعت ہوئے۔ مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یحییٰ دونوں بھائی صاحب ارشاد تھے۔ اپنے والد مولانا اسماعیل کی

وفات پر بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ، مندار شاد پر بیٹھے۔ مولانا محمد الیاس اس سلسلے کے تیسرا بزرگ تھے۔ مولانا نارشید احمد گنگوہی بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کیا کرتے لیکن آپ کے خواہش اور درخواست پر آپ کے غیر معمولی حالات کے پیش نظر آپ کو طالب علمی کے عرصہ میں بیعت کر لیا۔ مولانا نارشید احمد گنگوہی کی وفات کے بعد آپ کی درخواست پر شیخ الحند مولانا محموداً حسن دیوبندی نے مولانا خلیل احمد سہارپوری سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ آپ نے ان کی مگر افی اور حنفی میں منازل سلوک طے کیں۔

آپ نے جس علمی، دینی اور روحانی ماحول میں آنکھ کھولی وہ آپ کے ذہنی و قلبی رجحان کو تشكیل دینے میں آپ سے آپ مدد و معاون تھا۔ بچپن والد اور والدہ کی ذاکر و شاغل حصیتوں کے زیر سایہ اور زیر تربیت گزرا۔ بچپن میں کبھی طوطا مینا کی کھانیاں نہیں سنائی گئیں بلکہ سید احمد شہید اور شاہ عبدالعزیز کے قصے سنائے جاتے، خود مولانا الیاس کا بیان ہے کہ میری نانی لة الرحمن اور مولانا محموداً حسن شیخ الحند بھی فرماتے کہ تجھ سے صحابہ کی خوبشی آتی ہے، تجھے دیکھ کر صحابہ یاد آجاتے ہیں وغیرہ۔

جذبہ جہاد:

سید احمد شہید کے حالات بچپن ہی سے آپ کے ذہن میں راسخ تھے، لہذا دل میں جذبہ جہاد پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ اس جذبہ جہاد و عزم سے آپ کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا۔ آپ کے ہم عمر و ہم مکتب ریاض الاسلام کا نام حلومی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مکتب میں پڑھتے تھے تو ایک دن آپ لکڑی لے کر آئے اور کہا ”آدمیاں ریاض الاسلام! چلو بے نمازیوں پر جہاد کریں۔“ آپ نے حضرت مولانا محموداً حسن صاحب شیخ الحند کے ہاتھ پر بیعت جہاد بھی کی تھی۔

درس و تدریس:

مولانا محمد الیاس نے قرآن شریف اور مکتب کی ابتدائی تعلیم کے علاوہ حفظ قرآن بھی بچپن ہی میں کمل کر لیا۔ ۱۲، ۱۱ سال کی عمر میں بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے، جہاں بھائی سے پڑھنا شروع کیا پھر ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) میں دیوبند جا کر مولانا محمود حسن شیخ الحند سے ترمذی اور بخاری کی سماعت کی۔ کئی سال بعد اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ سے دوبارہ درود حدیث کیا۔ آپ گنگوہ کے قیام کے دوران میں ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۳ء) کے لگ بھگ ابتدائی فارسی پڑھاتے تھے۔ شوال ۱۳۲۲ھ (اکتوبر ۱۹۱۰ء) میں مدرسہ مظاہر العلوم سہاران پور کے استاذہ کی بڑی تعداد حج کے لیے روانہ ہو گئی تو نئے استاذہ کا تقرر ہوا۔ آپ بھی مظاہر العلوم سے مسلک ہو گئے۔ یہاں آپ نے متوسط کتابیں پڑھائیں۔ حجاج کی واپسی کے بعد دوسرے استاذہ سبکدوش ہو گئے لیکن

مولانا محمد الیاس بدستور تدریس کے فرائض انعام دیتے رہے۔ مولانا محمد اسماعیل کی وفات (۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ فروری ۱۹۱۸ء) کے بعد آپ مدرسہ مظاہر العلوم سے رخصت لے کر بنگہ والی مسجد اور مدرسہ کا انتظام سنبحا لئے کی غرض سے واپسی بستی نظام الدین آگئے۔ اور یہاں طلبہ کو چھوٹے بڑے سبق پڑھاتے رہے۔

آخری ایام:

مولانا محمد الیاس کو اپنی زندگی کے آخری دنوں میں سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ ان کی دعوت کی طرف علماء متوجہ ہو جائیں اور اس کام کو سنبحا لیں۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ علماء ہی اس کو لے کھڑے ہوں تو اس کو صحیح فروغ ہو گا اور جب جید علماء کی طرف سے واضح تائید کی اطلاع ملتی تو بری مسرت کا اظہار کرتے۔

آخری دنوں میں چار باتوں کا احتمام پھل کی نسبت بہت زیادہ رہا۔

(۱) علم و ذکر کی تلقین (۲) تعلیم و تبلیغ کی فکر (۳) زکوٰۃ و انفاق کی ترغیب (۴) ذاک کا اهتمام

جاشنی:

مولانا محمد الیاس نے مولانا محمد زکریا، مولانا عبد القادر رائے پوری اور مولانا ظفر احمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کو ۱۲ جولائی بروز بدھ بیغام بھیجا۔ مجھے چند آدمیوں پر اعتبار میں آپ لوگ ان میں سے مناسب

بھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کی بیعت کر دیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں:

(۱) حافظ مقبول محسن (۲) قاری داؤد (۳) مولانا احتشام الحسن (۴) مولانا محمد یوسف

(۵) مولانا انعام الحسن (۶) مولانا سید رضا حسن

سید ابوالحسن علی ندوی ”مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت“، میں لکھتے ہیں، ان حضرات

[ذکورہ بالاتینیوں زعماء] نے دوبارہ مشورہ کر کے مولانا کی خدمت میں عرض کیا۔ مولوی محمد یوسف

صاحب ماشاء اللہ طرح احل ہیں۔ خلافت کے سب شرائط بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں۔ مولانا محمد

الیاس نے کھا اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اس میں خیر و برکت دے گا۔ مجھے منظور ہے۔ پھلے بڑا کھکا

اور بے اطمینانی تھی اب اطمینان ہو گیا امید ہے کہ ان شاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

وفات: ۱۲ جولائی کو پوچھا سکیا کل جمعرات ہے؟ بتایا گیا۔ حال۔ کھنے لگے آج کی رات دعا اور دم

کثرت سے کراو۔ خود یہ دعا دھراتے رہے:

اللَّهُمَّ انْ مَفْرِتَكَ اوْسَعْ مِنْ ذُنُوبِي وَ رَحْمَتَكَ اَرْبُحْ عَنِّي مِنْ عَمَلِي

”اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ و سیئے ہے اور مجھے عمل سے زیادہ تیری رحمت کا آسرا ہے۔“
 کھنے لگے آج یوں جی چاہتا ہے کہ مجھے غسل کر اد، دور کعت نماز پڑھ لوں۔ دیکھو نماز کیارنگ لا تی
 ہے؟ رات کے پچھلے پھر صاحبزادے مولانا یوسف کو بلا کر کھا ”آل لے۔ ہم تو چلے“ اور صحیح کی اذان سے
 پھلانے انتقال کر گئے۔ نماز فجر کے بعد مولانا محمد یوسف کی جائشینی عمل میں آئی اور مولانا محمد الیاسؒ کا عملہ ان
 کے سر پر باندھا گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مسجد کے
 مشرقی گوشے میں باپ اور بھائی کی قبر کے ساتھ آپ کو دفن کیا گیا۔
تبليغی جماعت کی تاریخ:

مسلمانوں کا دور حکمرانی مغلوں کی نا احتیاطی کی بناء پر ختم ہو چکا تھا۔ ۱۸۵۷ء (۱۳۰۳ھ) کی جنگ آزادی
 بھی اپنے شہرات نہ دکھا سکی تھی بلکہ اس وقت تک ناکایی اور مایوی میں اضافے ہی پر منصب ہوئی تھی۔
 مولانا محمد الیاسؒ نے اس دنیا میں آنکھ کھوئی تو انگریز کا اقتدار مستحکم ہو چکا تھا۔ آپ کے غنومن شباب کا دورہ
 تھا جب جنگ عظیم اول ہوئی جس کے اختتام پر ہندوستان پر انگریز کا قبضہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مسلمان
 خایت جوش و خروش کے ساتھ تحریک خلافت چلا کر ٹھنڈے پڑھے تھے، مسلمانوں میں پائی جانے والی
 مایوی ایگریز سے مرعوبیت میں تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس پر مستزادیہ ”مرے کو مارے شاہ مار“
 کے مصدق، ہندوؤں نے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کے غرض سے شد ہی کی تحریک شروع کر دی۔ اس
 تحریک کے اهداف میں وہ قومیں اور علاقوں میں زیادہ اہم تھے جہاں افراد دین اور دینی تعلیم سے بہت کم
 واقف تھے۔ اسی لیے میوات کے علاقہ اور میوں قوم میں ارتاداد کا بہت زیادہ خطرہ تھا۔ اس خطرہ اور فتنہ سے
 نمٹنے کے لیے مسلمانوں کی تبلیغی جماعتیں قائم ہوئیں۔

یہ جماعتیں وفاد کی شکل میں ان علاقوں میں جاتیں، جو خاص طور سے ارتاداد کی زد میں تھے مثلاً
 اضلاع آگرہ، بھرت پور، متحرا، علی گڑھ، مین پوری، ایشہ، اٹاواہ، گڑگاؤں اور الور وغیرہ۔ شد ہی کے فتنے
 کے سد باب کے لیے ہر علاقے کے درد مند مسلمان اپنے اپنے طور پر کوشش کرتے رہے اور مسلمانوں کی
 ان کوششوں کے اچھے نتائج بھی برآمد ہوئے۔ شد ہی کی تحریک چل پڑی۔ آگرہ کے قرب و جوار میں
 مکانیں قوم سے اس کی ابتداء ہوئی۔ بہت سے لوگ مرتد ہونے شروع ہو گئے۔ سارے علماء متفرگ تھے سب
 نے اپنی اپنی تدبیریں اختیار کیں اور کافی لوگوں کو ارتاداد سے بچایا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ (مولانا الیاس) کو میوات کا فکر ہوا اسے اس علاقہ کا حال بھی ملکانوں سے ملتا جاتا ہے۔ اس غم نے حضرت جی کو بے چین کر دیا۔ نیند اڑ گئی ہر وقت آہ آہ فرماتے اور رات بھر رورو کر دعائیں مانگتے۔

مولانا محمد الیاس سمجھتے تھے کہ علماء کا مختلف علاقوں میں جا کر لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین کر دینا یاد یعنی مدارس قائم کر دینا کافی نہیں۔ ”لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی۔ رواجی طریقتوں کا تجربہ کر چکے ”ایسی دوران میں مولانا الیاس کو تبلیغ کی ایک نئی شکل کا علم ہوا۔ فیروز پور نمک کے کچھ افراد نے بتایا کہ وہ لوگوں کو جمع نہیں کرتے بلکہ اہل محلہ میں سے کچھ لوگ گھر گھر جا کر لوگوں سے ملتے ہیں اور انہیں نماز کے لیے لاتے ہیں۔

عرض کیا کہ حضرت ہم ۔۔۔ گشت کر کے (لوگوں) کو نماز کولاتے ہیں۔ حضرت جی نے جب گشت کا نام سناؤسا کرنے سے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا گشت کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے عرض کپاہہ ہم جماعت بنانے کے پاس جاتے ہیں، نماز کی ترغیب دیتے ہیں اور مسجد کولاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے فرمایا تمہارے گشت کو ہم ضرور دیکھیں گے ۔۔۔ [ہم نے] مغرب بعد گشت کیا، حضرت ساتھ ساتھ پھر تر رہے ۔۔۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔

کیونکہ اس طریقے میں ہر فرد تبلیغ کے عمل میں شریک ہو سکتا تھا اور ہر فرد تک پہنچا جاسکتا تھا جب کہ سابقہ طریقتوں کے مطابق تبلیغ کو صرف علماء کی فہرستی اور ان ہی کا کام سمجھ کر باقی لوگ اس سے کنارہ کش رہتے تھے اور پھر یہ کہ کسی جگہ لوگوں کو بلا کر تقریر کر دینے سے خواہ وہ کتنی ہی درد مندی کے ساتھ اور موثر طور پر کی جائے ہر فرد تک بات نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اس طرح جس فرد میں پھلے ہی سے کچھ آمدگی ہو گی وہی وعظ سننے کے لیے آئے گا۔

مولانا محمد الیاس نے اس طریقہ تبلیغ میں کچھ اصلاحات تجویز کیں اور اسے فیروز پور نمک کے علاقہ سے نکال کر پورے میوات تک پھیلانے کی کوشش کی۔

فرمایا ہمیں تمہارا گشت بہت پسند آیا لیکن میں چند اصلاح کرتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ اسی طریقہ سے دوسری بستیوں میں جا کر بھی گشت کیا کرو اور وہ اصلاح یہ ہے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیا کرو اور ایک بات کرنے والا مقرر کر لیا کرو، باقی سب ذکر کرتے رہیں۔۔۔ یہ لوگ گشت میں صرف نماز کو کھتے تھے۔ حضرت نے فرمایا لوگوں کو کلمہ سنایا کرو گویا شروع میں یہ دونمبر قرار پائے: ایک کلمہ دوسرے نماز۔

ان تفصیلی دوروں کے نتیجے میں پورے میوات میں گھر گھر اس دعوت کا پیغام پھینکا دینے کے بعد مولانا الیاس نے ایک پنچاہیت بلائی جس میں ۷۱۰ چیدہ چیدہ افراد شریک ہوئے۔ یہ پنچاہیت ۱۲ اگست ۱۹۳۳ء کو بلائی گئی۔ اس میں پنچاہیت نامہ مرتب کیا گیا، تبلیغ کے اصول طے ہوئے، طریق کار و ضع ہوا، نصاب طے کیا گیا۔ جس میں بنیادی کتب کے طور پر جزاء الاعمال، راه نجات، فضائل نماز، حکایات صحابہ، چھل حدیث شامل کی گئیں اور اس پر اتفاق کیا گیا۔ تبلیغ صرف علماء کا کام نہیں بلکہ یہ سب مسلمانوں کا فرض ہے۔ یہ پنچاہیت نامہ با قاعدہ دستخطوں کے ساتھ منظور کیا گیا۔ اس اجلاس کو تبلیغی جماعت کا تاسیسی اجلاس کہا جا سکتا ہے۔ اسی پنچاہیت میں تبلیغی جماعت کے چھ نمبر طے کیے گئے۔ تفصیلی دوروں اور پنچاہیت کے بعد میوات میں تبلیغی کام کی ایک تحریک پیدا ہو گئی۔ کچھ لوگوں کا انفرادی و دینی عمل علاقے کا اجتماعی کام بن گیا۔

فروری ۱۹۳۳ء اور پھر دو ماہ بعد ہی اپریل میں جماعتیں کراچی بھیجی گئیں۔ اس طرح مولانا محمد الیاس کی زندگی ہی میں میوات کے اضلاع میں کام مستحکم ہو گیا۔ سہارنپور، رائے پور، دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ کراچی تک بھی جماعتیں جانا شروع ہو گئیں۔ دیار عرب میں کام کی کوششیں ہوئیں اور دعوت کا کچھ نہ کچھ تذکرہ وہاں بھی شروع ہو گیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء کو مولانا محمد الیاس کا انتقال ہوا اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسفؒ کے جانشین بنے۔

مولانا محمد یوسفؒ کے دور میں کام میں وسعت:

مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی میں میوات میں کام کافی مستحکم ہو چکا تھا اور اطراف و اکناف میں بھی جماعتیں جانے لگی تھیں۔ چند ایک جماعتیں دور کے مقامات کی طرف بھی گئی تھیں لیکن تبلیغی جمادات کو ایک عامی جماعت کی حیثیت مولانا محمد یوسفؒ کے دور امارت میں حاصل ہوئی۔

[مولانا محمد یوسفؒ نے] ایک بڑی جمیعت و جماعت کو قربانی دینے اور ایشار کرنے، مصائب و مشقت کو آسان سمجھنے پر آمادہ کر دیا۔۔۔۔۔ ان کے زمانہ میں دعوت و تبلیغ عرب کے گوشہ گوشہ میں، امریکہ، یورپ اور جاپان میں اور ہندوستان کے چیہ چپہ پر پھیل گئی۔

آپ ہی کے دور امارت میں (۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء) لندن میں تبلیغی جماعت کا پھلاشت کا عمل ہوا۔ مولانا محمد یوسفؒ کے دور میں تبلیغی جماعت کے کام میں وسعت اور حصہ گیری اتنی واضح طور پر اور اتنی تیزی کے ساتھ آئی کہ اپنے پرائے سب حیران رہ گئے۔

تبلیغی جماعت کے افراد سے خواہ وہ اس سے تھوڑا بہت واقف ہوں یا اپنی زندگی اس کے لیے وقف کیے ہوئے ہوں، تبلیغی جماعت کے بارے میں دریافت کیا جائے تو ان کا جواب یہ ہو گا کہ، یہ کوئی جماعت یا تنظیم نہیں بلکہ یہ تو دین کا کام ہے، نہ چندہ، نہ اشتھار، بس لوگ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، یہ کام اور اس کا طریقہ الہامی ہے۔ یہ نبیوں والا کام ہے جو شروع سے اسی طرح ہوتا آیا ہے، گویا جو کچھ اس وقت تبلیغی محنت کے نام سے ہو رہا ہے وہی صحیح اور مکمل طریقہ ہے۔ لیکن خود مولانا الیاس کے ذہن میں کام کا ایک تدریجی غاہ کا چوتھا اور وہ گشٹ کی اس چلت پھرت کو اس کا بالکل ابتدائی مرحلہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک دین کا پورا کام یہی نہیں تھا بلکہ ان کے ذہن میں کچھ اور نقشہ تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ کہا:

ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوادین پورا پورا سکھا دیں۔ یہ تو ہمارا مقصد ہے۔ رحمی تاقلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف بہت تاء ہے۔

مولانا منظور نعمانی نے بھی جو طویل عرصہ مولانا الیاس کے ساتھ رہے، تحریر کیا ہے: مولانا کے ذہن میں اس (دعوت) کا ایک مرتبہ خاص ہے، البتہ اس کے لیے ان کے نزدیک ترتیب و تدریج بہت ضروری ہے۔ ایک موقع پر مولانا الیاس نے کہا: میر امداد عاکوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں یہ تحریک صلوٰۃ ہے میں قسم سے کھتا ہوں ہرگز یہ صرف تحریک صلوٰۃ نہیں۔

مولانا انعام الحسن کا دور امارات:

تبلیغی جماعت میں سب سے طویل دور امارات مولانا انعام الحسن کا تھا۔ ابتدائی ۱۷ اسال مولانا الیاس نے امارات کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۲ اسال یہ فہد داری مولانا محمد یوسف کے پاس رہی۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء تا ۱۹۹۵ء، تیس سال کا عرصہ مولانا انعام الحسن کا دور امارات تھا۔

آپ ابتداء ہی سے کم آمیر اور قلیل الكلام تھے۔ اور یہ کیفیت آپ کے دور امارات میں بھی قائم رہی

مختلف پروگراموں میں تقریر و وعظ کی فہد داری مولانا محمد عمر پالن پوری کی ہوتی تھی۔ آپ آخر میں چند جملے ادا کر دیتے تھے۔ آپ نے امارات کی فہد داری سننگانے کے بعد کوئی الگ امتیازی رنگ یا جدت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک موقع پر آپ نے کہا: ہم توکلیر کے فقیر ہیں، مولانا محمد الیاس صاحب۔

ھی کے اصول پر جم کر کام کریں گے اور کروائیں گے۔ کھاچا سکتا ہے کہ مولانا محمد یوسف تبلیغی جماعت کو مولانا محمد الیاس کے منصوبے کے مطابق آگے بڑھا رہے تھے اور جماعت کو عالمگیر حیثیت دینے کے بعد موجود الوقت پھلتار ہاء، البتہ وہ خیالات جو مولانا الیاس کے دل میں تھے اور مولانا یوسف آھستہ آھستہ انھیں زبان پر لانا شروع کیا تھا، وہ دوبارہ دب کرہ گئے اور وہ انداز جو ۱۹۲۶ء، ۱۹۲۷ء میں میواتیوں کے لیے اختیار کرنا مناسب ہو سکتا تھا، پھر سے لوٹ آیا۔ مثال کے طور پر وفات سے پہلے رائے و نظر کے اجتماع میں اپنے آخری بیان میں آپ نے فرمایا:

امر بالمعروف و نهي عن المكرا ان لوگوں کے لیے ہے جن کے پاس طاقت ہو۔۔۔ جس کے پاس سلطنت ہو، کوئی قوت ہو۔۔۔ لیکن ہم جو ھیں یہ ہمارے پاس نہیں ہے، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں۔ ہمارے لیے تودعوت ہے۔ دعوت کے اندر عرض ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے محاورے میں بھی مشہور ہے عرضی پیش کی میں نے۔ اس بیان سے کمزوری اور بے بی کی کیفیت پر اطمینان ہی نہیں مرت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح اسی اجتماع کی اختتامی دعا کا رنگ بھی مولانا یوسف کی دعا سے بالکل مختلف ہے اور زیاد سے زیاد یہ دعا مانگی گئی:

اے اللہ الغیبی تائید شامل حال فرما۔ اللہ دین کی ہواں چلا دے۔ اے اللہ اعداء مسلمین کو ناکام و نامراد فرمادے۔ آپ کی وفات کے بعد تبلیغی جماعت کے ذریعہ دار حضرات کا اجتماع بستی نظام الدین (مرکن) میں ہوا۔ ان بزرگوں کی کوشش تھی کہ امارت کا منصب کاندھلہ کے خاندان ہی میں رہے۔ ایسے فرد کو امیر بنایا جائے جو بانی جماعت سے تربیت و استفادہ یافتہ ہو، ان سے عزیزانہ و رفیقانہ تعلق ہو، علی و وزن اور قارکا حاصل ہو لیکن یہ صفات کسی فرد میں نظر نہیں آتی تھیں، لہذا کسی فرد کو جماعت کا امیر نہیں بنایا گیا بلکہ جولائی ۱۹۹۵ء سے اب تک شوریٰ مرکزی کام اور منصوبوں کی فہرستے۔ اس وقت کی شوریٰ کے کئی ارکین انتقال کر چکے ہیں۔ مثلاً مولانا اظھار الحسن، مولانا محمد عمر پالن پوری۔ موجودہ شوریٰ پاؤ افراد پر مشتمل ہے۔ جن میں حاجی عبد الوہاب، حاجی محمد افضل، اور مفتی زین العابدین پاکستان سے جبکہ مولانا زیر (مولانا انعام الحسن کے صاحبزادے) اور مولانا محمد سعد (مولانا یوسف کے پوتے۔ واضح رہے کہ مولانا محمد یوسف کے میئے مولانا محمد ہارون کا انتقال ہو چکا ہے) ہندوستان سے شامل ہیں۔

چھ نمبر: یہ نمبر اور ان کا خلاصہ یہ ہے:

- ۱۔ کلمہ طیبہ: خدا کے حکموں پر عمل کرنے کا جذبہ اور بندگی کا تقاضا پیدا کرنے کے لیے۔
- ۲۔ نماز: اس کے ذریعے سے پوری زندگی میں دینی احکام پر عمل کرنے کی مشق کی جائے۔

س۔ علم و ذکر: علم اس لیے کہ خدا کے حکم اور ان کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو اور ذکر اس لیے کہ بندگی کا جذبہ بڑھے اور خدا نے تعالیٰ کی عظمت کا دھیان بندھ جائے۔

۲۔ اکرام مسلم بیندوں کے حقوق کا دھیان رکھا جائے خاص کر مسلمان کی عزت کا بہت خیال رکھا جائے کیونکہ مسلمان کے دل میں ایمان کا نور موجود ہے۔

۵۔ اخلاق نیت: نہ کورہ بالا کام رضائے الہی کے لیے کرے اور عمل سے مقصود صرف آخرت بنانا ہو۔

۶۔ دعوت یا تفریغ وقت بگھر اور کاروبار کے ماحول میں ان سب چیزوں کا دھیان رکھنا مشکل ہے اس لیے عملی مشق کی عادت ڈالنے کے لیے وقت فارغ کر کے جماعت کے ساتھ جائیں۔

اس کے علاوہ ساتواں نمبر بطور پر ہیز اور شرط کے ہے اور وہ ہے ترک لا یعنی، یعنی غیر اصم اور غیر ضروری کاموں سے پر ہیز کیا جائے، خصوصاً لٹکنے کے زمانے میں۔

ان نمبروں کو جزو زندگی بنا کر تبلیغی اصولوں کے مطابق محنت کرنی ہوتی ہے۔ ان تبلیغی اصولوں کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ ان اصولوں کی پابندی کے ساتھ ہی کام کرنا مطلوب ہے۔ اگر اصولوں کا خیال نہ رکھا جائے تو گویا ساری محنت اکارت گئی۔
تبلیغی محنت کے بنیادی اصول:

ان اصولوں کے حوال سے کھاجاتا ہے کہ ----- ”اس زمانے کے اعتبار سے اللہ رب العزت نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر اصولوں کو مکشف فرمایا۔“ حدایت یافتوہ اور مقرب بارگاہ الہی وہی شخص بتا ہے جو صحیح اصولوں سے اس کام میں چلتا ہے۔ بے اصولی سے چلنے والے راستے ہی سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ اصول یہ ہیں:

۱۔ امیر کی اطاعت: امیر کے اکرام اور محبت کے ساتھ

۲۔ تکفیفوں پر صبر: زبان و قلب کی حفاظت کے ساتھ

۳۔ جان و مال کا خرچ: اخلاق کے ساتھ

۴۔ لوگوں کا اکرام اور ادائیگی حقوق کی رعایت

۵۔ تواضع: کھانے پینے چلنے اٹھنے بیٹھنے غرض ہر عمل میں

۶۔ اپنی احتیاج بناؤ کر چلنا: دوسروں کو محتاج سمجھ کر نہیں

۷۔ اللہ تعالیٰ کے توکل کے ساتھ چلتا، اسباب پر کے اعتماد کے ساتھ نہیں۔ لہذا قلت اسباب پر غمگین نہ ہوں اور کثرت اسباب پر نازل نہ ہوں۔

۸۔ جو کچھ ہو جائے اس کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھے اپنی قربانی پر نازدہ کرے اور جو تصور و خایر رہ جائے اس کو اپنی طرف منسوب کرے۔

۹۔ استغنى عن الخلق

۱۰۔ مشورہ کو لازم پڑے اور جماعت سے علیحدہ نہ ہو۔

مولانا الیاس کی دعوت کا دینی پس منظر اس کے اصول و مبادی:

جس مبارک دینی ماحول میں مولانا محمد الیاسؒ کی عمر کی ابتدائی حصہ گزرا تھا اس کی مخصوص دینی اور روحانی فضائی وجہ سے بمشکل اس بات کا احساس ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں سے ایمان و یقین کی دولت سرعت سے نکلتی جا رہی ہے۔ دین کی طلب اور قدر سے دل تیزی کے ساتھ خالی ہوتے چلتے جا رہے ہیں۔ اس ماحول میں چونکہ صرف خواص اہل دین اور اہل طلب سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی دین سے بڑھتی ہوئی بے نیازی اور اس کی ناقدرتی اور اس کی تحقیر کا کوئی عملی تجربہ اور احساس نہ وہنا بے موقع نہ تھا وہاں رہ کر یہی تصور ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کی دعوت و تملیح اور دین کی ابتدائی جدوجہد کی منزل سے آگے بڑھ چکی ہے۔ اور اب صرف مدنی زندگی کے تکمیلی مشاغل کی ضرورت ہے اس لیے وہاں رہ کر مدارس دینیہ کے قیام و اہتمام کتاب و سنت کی اشاعت درس حدیث دینی تصنیف و تالیف قضاؤ افتاء اور بدعتات اہل باطل سے مناظرہ و احراق حق اور سلوک و تربیت باطنی کے علاوہ کسی اور طرف ذہن کا منتقل ہونا بہت مشکل تھا وہاں کام کی نوعیت یہ تھی کہ گویا میں ہموار و تیار ہے اس پر پودے لگانا اور درخت بٹھانا ہے اور یہ بات وہاں کے حالات کے لحاظ سے غلط نہ تھی کہ اس محدود حلقہ میں بزرگان دین کی کوششوں سے یقیناً میں تیار ہو چکی تھی اور دین کے باغات سر بزرتھے۔

اس ماحول کا طبعی تقاضا یہ تھا کہ آپ بھی انہیں شعبوں میں سے کسی شعبہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اپنی خداداد استعداد صلاحیت سے اس میں کمال پیدا کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں آپ کی خاص رہنمائی فرمائی اور آپ کی بصیرت پر یہ حقیقت مکشف کی کہ جس سرمایہ کے اعتماد پر یہ سارا جمع خرچ ہے وہ سرمایہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے جس زمین پر دین کے یہ درخت نصب کرنے ہیں وہ زمین ریت کی طرح پاؤں کے نیچے سے کھسکی جا رہی ہے امہات عقائد میں ضعف پیدا ہو گیا ہے اور بڑھتا جا رہا

ہے اور خود مولانا کے گھرے الفاظ میں امہات عقائد میں ضعف پیدا ہونے کی شان نہیں رہی، ان میں انبات عقائد ضمنی و فروعی قائد کی تربیت و پرورش کی طاقت نہیں رہی خدا کی خدائی اور محمد ﷺ کی رسالت کا تبیین کمزور ہوتا جا رہا ہے آخرت کی اہمیت کم ہوتی جا رہی ہے خدا کی بات کا وقار اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کا وزن اور دین و شریعت کا احترام کم ہو رہا ہے اجر و ثواب کا شوق ایمان و احتساب دل سے اٹھتا جا رہا ہے۔ زندگی کی روح کی تبدیلی:

یہ اکشاف و ادراک اس وضاحت اور قوت کے ساتھ ہوا کہ اس سے مولانا کی زندگی کا رخ بالکل ہی تبدیل ہو گیا اور طریق کارا صولی طور پر بدلتا گیا، آپ کی زندگی بھر کی جدوجہد اور دعوت و تحریک کی بنیاد دراصل اسی امر واقعی کا ادراک تھا کہ مسلمانوں میں دیک کی بنیاد تزلزل میں ہے اور اصل کام اسی کا استحکام ہے آپ کی ساری جدوجہد کا محور مرکز یہی خیال تھا جس نے آپ کی توجہ و دلچسپی کو ہر رخ سے ہٹا کر اسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدفون گواہی خط میں اپنی اس تحریک کا مقصد اس طرح تحریر فرماتے ہیں: نماز روزہ قرآن انتیاد مذہب اور اتابع سنت کا نام لینے اور ان چیزوں کا تذکرہ کرنے سے ان چیزوں کے ساتھ عالم اسلام میں تمسخر و مسخکہ و استخفاف کا کوئی دیقانہ اٹھا نہیں رہتا امور مذکور کی حرمت و عظمت کی طرف دعوت دینے ہی پر اس تبلیغ کی تحریک کا دار و مدار ہے اور یہی اس کی بنیاد ہے کہ استخفاف سے تعظیم کی طرف فضائے عالم کے انقلاب کی کوشش کی جائے۔
مسلمانوں میں دینی طلب اور قدر کا فقدان:

آپ نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ایسی حالت میں کہ مسلمانوں میں ایمان و تبیین رو بہ تنزل ہیں دین کی قدر و عظمت دلوں سے اٹھتی جا رہی ہے عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بیادی چیزوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں لہذا ان تکمیلی شعبوں کا قیام جو دین کی جڑ پکڑ جانے کے بعد کی چیزیں ہیں ذرا قبل از وقت باقی ہیں۔ طبائع اور جہانات کے سیالاب کے رخ کو خداداد فرست و بصیرت سے پچان کر آپ نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ نئے دینی اداروں کا قیام تو الگ رہا پرانے اداروں اور دینی مرکزوں کی زندگی بھی ایسی حالت میں خطرہ سے باہر نہیں اس لیے کہ وہ رکیں اور شریانیں جنم سے ان میں خون زندگی آتا تھا مسلمانوں کے جسم میں برابر خشک ہوتی جا رہی ہیں۔ ان کی طلب اور ان کی ضرورت کا احساس اور ان کے

قام ہو جانے کے بعد ان کی قدر اور ان کی خدمت گزاروں کی خدمات کا اعتراف ختم ہو رہا ہے شیخ حاجی رشید احمد صاحب کے نام جو متعدد مرکزی دینی مدارس کے معاون اور رکن ہیں ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ اب سے پندرہ برس پہلے اپنی کوتاه نظر سے لیکن اللہ دی ہوئی بصیرت سے میں نے اہل وفا کے طبائع کے سیل کو بھانپ لیا تھا اور یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ رفتار مکاتب اور مدارس کی جو چل رہی ہے یعنی لوگوں کو میلان اور ان کی رغبت جس کی وجہ سے مکتبوں اور مدرسوں میں مخلصانہ کوشش کرنے والے کھڑے ہوتے ہیں اور چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں یہ عقیریب ختم ہونے والی ہے اور آگے چل کر راستہ اس کا مسدود ہے۔

آپ نے ان دینی مدرسوں کے عین مرکزوں میں رہ کر اپنی ذکاوت حسن اور فراست ایمانی سے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ علوم دینیہ دنیا طلبی کی وجہ سے اور ایمان و بال طلبی کی کمی کی وجہ سے ان طلبہ کے لیے غیر نافع بلکہ ان کے لیے وبال اور جنت بنتے جا رہے ہیں اور دوسری طرف عام مسلمانوں کی عدم توقیر اور احترام اور ناقدری کی وجہ سے وہ ضائع اور ان کے لیے قبر کا باعث ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ان مدارس کا نفع اور ان علوم کی برکت و تاثیر بھی روز بروز اٹھتی جا رہی ہے۔

اسی مکتب میں تحریر فرماتے ہیں:

دوسری وجہ یہ ہے کہ علوم جن اغراض کے لیے اور جن اثرات و منافع کے لیے حاصل کیے جاتے ہیں ان علوم کے ساتھ وہ اغراض وابستہ نہ رہنے کا باعث علوم بیکار ہوتے چلے جاتے ہیں اب علوم سے وہ منافع اور اغراض حاصل نہیں ہوتے جن کی وجہ سے توقیر اور تحصیل تھی ان بالوں پر نظر کرتے ہوئے میں نے اس طرز کی طرف اپنی توجہ کو متوجہ کیا۔

مولانا مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری سمجھتے تھے اور اس سایہ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اٹھ جانے کو موجب وبال و قہر سمجھتے تھے لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوائیں معطل ہو گئی تھی حاجی صاحب کو اسی خط میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرمادیں کہ سینکڑوں مدرسون کا سست پڑ جانا یا بند ہو جانا ال زمانہ کے لیے نہایت وبال اور نہایت باز پرس کا خطرہ رکھتا ہے کہ قرآن دنیا سے مٹا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی در دنہ ہو یہ سب باقی خطرناک ہیں۔

لیکن مولانا سمجھتے تھے کہ ان مدارس کا وجود و قیام اس زمین پر ہے جو ہمارے اسلام تیار کر گئے تھے اصل دین کی تبلیغ اور جدوجہد کی بدولت مسلمانوں میں دین کی جو طلب اور قدر پیدا ہو گئی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ اس دین کو اپنی نئی نسل میں پیدا کرنے کے لیے اور اس کو دنیا میں قائم و باقی رکھنے کے لیے دیندار مسلمانوں نے جا بجا یہ مکاتب و مدارس قائم کیے اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھا۔ اس پہنچی کچھی طلب اور قدر کا نتیجہ کہ ابھی تک یہ مدارس چل رہے ہیں ان کو طالب علم مل رہے ہیں لیکن اس سرمایہ طلب میں برابر کی آرہی ہے اور اضافہ نہیں ہو رہا ہے یہ صورت حال دین کے مستقبل اور دینی اداروں کے وجود و بقاء کے لیے سخت تشویشناک ہے جس ذخیرہ اور اندوختہ میں برابر کی ہو اور اضافہ بھی نہ ہو خواہ کی روزانہ ایک قطرہ کی ہو وہ اگر سمندر بھی ہو تو ایک روز خشک ہو جائے گا۔

طلب و احساس کی تبلیغ:

مولانا کو اس کا پوری شدت سے احساس ہوا کہ اس وقت سب سے مقدم اور ضروری کام طلب کی تبلیغ اور مسلمانوں میں مسلمان ہونے کا احساس پیدا کرنا ہے اور یہ کہ دین سمجھے بغیر نہیں آتا اور دنیاوی ہنروں سے زیادہ اس کے سمجھنے کی ضرورت ہے یہ احساس اور طلب اگر پیدا ہو گئی تو باقی مراحل و منازل خود طے ہو جائیں گے۔ اس وقت کے مسلمانوں کا عاموی مرض ہے حسی اور بے طلبی ہے لوگوں نے غلط فہمی سے سمجھ لیا ہے کہ ایمان تو موجود ہی ہے اس لیے ایمان کے بعد جن چیزوں کا درجہ ہے ان میں مشغول ہو گئے حالانکہ سرے سے ایمان پیدا کرنے ہی کی ضرورت باقی ہے۔

قرن اویٰ کے مقابلہ میں تعلیم و تبلیغ و ارشاد و اصلاح میں ایک عظیم تغیریہ ہوا کہ ان کا دائرہ طالبین کے لیے محدود ہو کر رہ گیا اہل طلب کے لیے تعلیم و اصلاح اور بہادیت و ارشاد کا پورا نظام اور اہتمام تھا لیکن جن کو اپنے مرض کا احساس ہی سرے سے نہیں اور جو طلب سے خالی ہیں اور ان کی طرف سے توجہ بالکل ہٹ گئی۔ حالانکہ ان میں طلب کی تبلیغ کی ضرورت تھی اننبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت سارا عالم مستحقی اور سودوزیاں سے بے پرواہ ہوتا ہے یہ حضرات انہی میں طالب علم پیدا کرتے ہیں اور کام کے آدمی حاصل کر لیتے ہیں بے طبوں اور بے حسوں میں طلب و احساس پیدا کرنا ہی اصل تبلیغ ہے۔

طریق کار:

اس احساس و طلب دین اور اسلام کے اصول و مبادی کی تلقین کا ذریعہ کیا ہے اسلام کا کلمہ طیبہ ہی اللہ کی رسی کا وہ سر اہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے اسی سرے کو کپڑا کر آپ اسے پورے دین کی طرف کھینچ

سکتے ہیں وہ کشکش نہیں کر سکتا مسلمان جب تک اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے اس کو دین کی طرف لے آنے کا موقع باقی ہے اس موقع کے خدا نخواستہ نکل جانے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھالیا چاہیے۔

اب مسلمانوں کی اس وسیع اور منتشر آبادی میں دین کا احساس و طلب پیدا کرنے کا ذریعہ ہی ہے کہ ان سے اس کلمہ ہی کے ذریعہ تقریب پیدا کی جائے اور اسی کے ذریعہ خطاب کیا جائے کلمہ یاد نہ ہو تو کلمہ یاد کرایا جائے غلط ہو تو اس کی تصحیح کی جائے کلمہ کے معنی و مفہوم بتائے جائیں اور سمجھایا جائے کہ خدا کی بندگی و غلامی اور رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کا اقرار ان سے کیا مطالبہ کرتا ہے اس طرح ان کو اللہ اور رسول

اللہ ﷺ کے احکام کی پابندی پر لا جائے جن میں سب سے عمومی، سب سے مقدم اور سب سے اہم نماز ہے جس میں اللہ نے یہ قابلیت رکھی ہے کہ وہ سارے دین کی استعداد و قوت پیدا کر دیتی ہے جس بندگی کا کلمہ میں اقرار تھا اس کا یہ پہلا اور سب سے کھلا ثبوت ہے پھر اس شخص کی مزید ترقی و استحکام کے لیے اس کو اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور اس تعلق کو بڑھانے کی طرف متوجہ کیا جائے اور اللہ کو زیادہ یاد رکھنے اور یاد کرنے کی ترغیب دی جائے نیز یہ بات اس کے ذہن نشین کی جائے کہ مسلمانوں کی طرح زندگی گزارنے کے لیے اللہ کی مرضی و منشا اور اس کے احکام و فرائض معلوم کرنے کی ضرورت ہے دنیا کا کوئی ہر اور کوئی فن بے سیکھے اور کچھ وقت صرف کیے بغیر نہیں آتا دین بھی بے طلب کے نہیں آتا اور اس کو آیا ہوا سمجھنا غلطی ہے اس کے لیے اپنے مشاغل سے وقت نکالنا ضروری ہے۔

یہ کام اتنا بڑا اور اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اس کے لیے چند افراد اور چند جماعتیں کافی نہیں اس کے لیے عام مسلمانوں میں کوشش کرنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ بقول مولانا محمد الیاس آگر کروڑوں کے واسطے لاکھوں نہیں انھیں گے تو کس طرح کام ہو گانہ جانے والے جتنے کروڑ ہیں جانے والے اتنے لاکھ نہیں۔

مولانا کے نزدیک اس کام کے لیے عالم اسلام میں ایک عمومی اور دامغی حرکت و جنبش کی ضرورت ہے اور یہ حرکت اور جنبش مسلمانوں کی زندگی میں اصل اور مستقل ہے سکون و دوقوف اور دنیا کا اشتغال عارضی ہے دین کے لیے اس حرکت و جنبش پر مسلمانوں کی جماعت کی بنیاد رکھی گئی اور یہی ان کے ظہور کی غرض و غایت ہے: **كُلُّ ثِمَّةٍ خَرَّى أَمْمَةٍ أُخْرِجَتِ الْأَنْسَاسِ ثَانِمُرْؤَنَ بِالْمُغَرْبَةِ وَثَنَّهُوَنَ عَنِ السَّكَرِ وَ- تُوْجِ مُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَرَبِّهِ دُنْيَا كے سکون و دنیاوی انہاک کار و بار کی مصروفیت اور شہری زندگی کے کسی ضروری شعبہ میں کوئی ایسی کمی نہ تھی جس کی تکمیل کے لیے ایک نئی امت کی ضرورت ہو۔**

مسلمانوں نے جب سے اس جماعتی زندگی اور اصلی کام کو چھوڑ دیا تو شانوی درجہ دے دیا اس وقت سے ان کا انحطاط شروع ہو گیا اور جب سے ان کی زندگی میں سکون واستقرار اور پر سکون و معروف شہری زندگی کی کیفیات و خصوصیات پیدا ہو گئیں ان کا وہ روحانی زوال اور اندر وہی ضعف شروع ہو گیا جس کا عنوان خلافت راشدہ کا خاتمه ہے مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں اور تاریخ ان کے لفظ کی تائید کرتی ہے اور ان کے ہر دعوے پر شہادتیں پیش کرتی ہے۔

ہم نے جماعتیں بنائے کہ دین کی باتوں کے لیے نکلنا چھوڑ دیا حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی حضور ﷺ خود پھر اکرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ پھر اکرتا تھا مکہ کے زمانہ میں مسلمین کی مقدار افراد کے درجہ میں تھی تو ہر فرد مسلم ہونے کے بطور فردیت و شخصیت کے منفرد اداوس میں پر حق پیش کرنے کے لیے کوشش کرتا ہا مدینہ میں اجتماعی اور متمدن زندگی تھی وہاں پہنچنے ہی آپ نے چار طرف جماعتیں روانہ کرنی شروع کر دیں اور جو بڑھتے گئے وہ عسکریت کی طرف بڑھتے گئے سکونی زندگی صرف انہیں کو حاصل تھی جو پھر نے والوں کے لیے فتح مرچع اور پھر تے رہنے کا ذریعہ بن سکیں غرض پھرنا اور دین کے لیے جدوجہد اور نقل و حرکت میں رہنا اصل تھا جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہو گئی۔

نظام کار:

اس کام کے لیے جب مسلمانوں کی جماعتیں نقل و حرکت میں آجائیں تو ان کے کام کا نظام کیا ہو گا اور ترتیب کیا ہو گی۔ کس چیز کی اور کتنی چیزوں کی دعوت دی جائے گی اس کا جواب مولانا ہی کے الفاظ میں سنئے۔

اصل تبلیغ صرف دو امر کی ہے باقی اس کی صورت گری اور تشکیل ہے ان دو چیزوں میں ایک مادی ہے اور ایک روحانی مادی سے مراد جوارح سے تعلق رکھنے والی سودہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی لاکی ہوئی باتوں کے پھیلانے کے لیے ملک بے ملک اور اقليم بے اقليم جماعتیں بنائے کر پھر نے کی سنت کو زندہ کر کے فروغ دینا اور پائیدار کرنا ہے روحانی سے مراد جذبات کی تبلیغ یعنی حق تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا روانہ ڈالنا جس کو اس آیت میں ارشاد فرمایا:

فَأَوْزِنْتَ لَا يُؤْمِنُوا نَحْنُ نَحْكُمُ وَنَحْمَلُ ثِقَلَيْنَ هُمْ أَثْقَلُهُمْ وَأَنَا أَثْقَلُهُمْ

ترجمہ: ”قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہو گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہوا س میں آپ سے یہ لوگ تصفیہ کر دیں۔ پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں شکنی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔“

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْأَنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ

ترجمہ: ”اور میں نے جن و انس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“
 یعنی اللہ کی یا توں اور اوامر خداوندی میں جان کا بے قیمت اور نفس کا ذلیل ہو جانا۔ نکلنے کے وقت حضور ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں میں جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس میں اسی کی حیثیت سے کوشش کرنا اس وقت بد قسمی سے ہم کلمہ تک سے نا آشنا ہو رہے ہیں اس لیے سب سے پہلے اسی کلمہ طیبہ کی تبلیغ جو کہ خدا کی خدائی کا اقرار نامہ ہے یعنی اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ در حقیقت ہمارا کوئی مشغله بھی نہیں۔
 کلمہ کے لفظوں کی تصحیح کرنے کے بعد کے اندر کی چیزوں کی تصحیح کرنے اور نمازوں کو حضور ﷺ کی نماز جیسی نماز بنا نے کی کوشش میں لگے رہنا۔

تین (۳) وقتوں کو (صبح و شام اور کچھ شب کا) اپنی حیثیت کے مناسب تحصیل علم و ذکر میں مشغول رکھنا۔
 ان چیزوں کو پھیلانے کے لیے اصل فریضہ محمدی سمجھ کر نکالنے یعنی ملک بہ ملک روانہ دینا۔
 اس پھر نے میں خلق کی مشق کرنے کی نیت رکھنا، اپنے فرائض (خواہ خالق سے متعلق ہوں یا خلق کے ساتھ) کی ادائیگی کی سرگرمی، کیونکہ ہر شخص سے اپنے ہی متعلق سوال ہو گا۔
 تصحیح نیت یعنی ہر عمل کے بارے میں اللہ نے جو وعدے و عید فرمائے ہیں ان کے موافق اس امر کی تعمیل کے ذریعہ اللہ کی رضا اور موت کے بعد والی زندگی کی درستی کی کوشش کرنا۔

اس زمانہ میں ایک بڑا فتنہ جو ہزاروں خراہیوں اور فسادات کا سرچشمہ ہے اور جس نے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان کی خوبیوں سے محروم اور اسلام کو مسلمانوں کی مجموعی خوبیوں اور کمالات سے بہت کچھ محروم کر دیا ہے مسلمانوں کی تحقیر ہے ہر مسلمان نے گویا ایک کلیے کے طور پر طے رکھا ہے کہ اس کی ذات مجموعہ محاسن اور دوسرا مسلمانوں کی ذات مجموعہ معافی ہے۔ اس لیے وہ خود لا اُن تسلیم و تخطیم اور دوسرا لا اُن تقيید و تحریر ہے۔ یہ ذہنیت، یہ طرز عمل ان تمام فتوں کا اصلی سب ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی اور مذہبی زندگی میں رونما ہوئے اور جن سے آج مسلمان پریشان ہیں۔

یہ خدا کی بڑی توفیق اور دلگشیری تھی کہ اس نے اس بارے میں مولانا کو خاص توفیق بخشی، انہوں نے اکرام مسلم کو اپنی تحریک کے اصول ارکان میں خالص جگہ دی اس تحریک کی ساخت اور نوعیت ہی ایسی ہی

ہر قسم کے مسلمانوں سے اس سلسلہ میں اتنا سابقہ اور معاملہ پڑتا ہے اور اتنے دشوار مرحلے میں پیش آتے ہیں کہ اگر اس اصول کی پابندی نہ ہو اور اس کے مطابق ذہنی اور اخلاقی تربیت نہ ہو تو ہزاروں فتنے اس سے اٹھ سکتے ہیں اور خود مولانا کے قول کے مطابق جو فتنے صدیوں میں آتے اس تحریک کو بے اصولی کے ساتھ لے کر کھڑے ہونے اور خلاف اصول کام کرنے سے ہفتون اور دنوں میں پیش آجائیں گے۔

مولانا نے اس تربیت کو کہ (اپنی ذات کو آدمی مجموعہ حasan اور دسرے کی ذات کو مجموعہ معائب سمجھے) جس کا اس زمانہ میں رواج ہے اس طرح بدلتا ہے کہ اپنے عیوب اور کوتایوں پر نظر رکھے اور دسرے کے حasan اور ہنر پر اس کے ان حasan سے منتفع ہونے کی کوشش کرے اس کے عیوب اگر کچھ نظر آئیں تو ان کی پرده پوشی کرے اور اور اس کے حasan کو ان عیوب پر غالب اور فتح مند کرنے کی کوشش کرے یہ تمام فتنوں کا سد باب اور تمام امراض کا علاج ہے اپنے ایک گرامی نامہ میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا۔ کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہوں۔ ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور ستر (پرده پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سے خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پر جائے مگر دستور کے خلاف ہے)۔

مولانا نے نظری طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر اور سب سے پہلے اپنے عمل سے میا تیوں اور تبلیغ کارکنوں کے دل میں کلمہ کی اتنی تقریب اور کلمہ گو کا ایسا احترام بخدادیا کہ اکرام مسلم ان کی زندگی کا جزو اور ان کی طبیعت بن گیا۔ مولانا نے ان کو عادی بنا دیا کہ ہر فاسق و فاجر مسلمان سے معاملہ کرتے وقت اور عین تبلیغ کے موقع پر ایمان کی اس چنگاری پر نظر رکھیں جو ہر مسلمان کے دل کی خاکستر میں دبی ہوئی ہے اور اس کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں اس کے امتی ہونے کی اس نسبت کا لحاظ کریں جو رسول اللہ ﷺ سے قائم ہے۔

مولانا نے ان کو وہ خورد ہیں عطا کر دی جس سے وہ ذرہ ایمان کو بھی بڑی جسامت کے ساتھ دیکھ سکیں۔ اس رکن کے اضافہ سے یہ تحریک بہت سے فتنوں اور ان کے شر و راؤفات سے محفوظ ہو گئی جو حریف برادریوں میں پھرنا اور نئے نئے شہروں اور مجموعوں میں جانے اور اپنی بات پیش کرنے سے پیش آسکتی تھیں۔ ذکر کی پابندی علم میں اشتغال لایعنی اور بے کار باقوں سے اجتناب امیر کی اطاعت اور جماعتی نظام کے ساتھ اس کام کو کرنے کی تاکید نے ان دوسرا فتنوں اور خرابیوں سے محفوظ کر دیا جو ان شر اکٹاو صاف کے بغیر دوسروں کی اصلاح و تادیب اور ارشاد و تبلیغ کا کام کرنے سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

لہو لہو غزہ!

سچ لحق شیر پاؤ

گذشتہ سات سال سے محصور غزہ ایک دفعہ پھر اسرائیل کی وحشیانہ بمباری کی وجہ سے آگ اور خون کی میں زد میں ہے۔ ان سطور کے لکھنے تک ۲۵۰ فلسطینی شہید اور ۳۰۰ ہزار سے زائد زخمی ہو چکے ہیں، جب کہ سیکڑوں گھر، سکول، رہائشی عمارتیں اور مساجد ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ اسرائیلی وزیر دفاع گابی اشلنگازی نے اعلان کیا ہے کہ غزہ کی ایسٹ سے ایسٹ سے بجا کر دم لیں گے۔ اور ۲۰۱۲ء اور ۲۰۰۸ء کے حملے کے بر عکس اس دفعہ زمینی حملہ بھی کیا گیا ہے اور اسرائیلی افواج میتوں اور بھاری اسلحے سمیت غزہ پر مختلف اطراف سے چڑھائی کر چکی ہیں۔ یہ تو معلوم نہیں کہے جو لاٹی سے جاری آگ اور خون کا یہ کھیل مزید کتنے بے گناہوں کی جان لے گا، تاہم اس موقع پر مسلم دنیا بامخصوص عالم عرب کی خاموشی ایک بڑا سوالہ نشان بن کر سامنے آئی ہے۔

حملے کے اسباب:

حالیہ حملے کے جواز کے لیے اسرائیل نے الام عائد کیا ہے کہ حماں ۲۰۱۲ء کے امن معاهدے کی مسلسل خلاف ورزی کرتی رہی ہے اور اسرائیلی آبادیوں کو غزہ سے اپنے رائٹوں سے نشانہ بناتی رہی ہے۔ اس کشیدگی میں اضافہ اس وقت ہوا جب ۲۰۱۳ء کو اچانک تین اسرائیلی نوجوان غائب ہو گئے اور چند دن بعد سرحد کے قریب سے ان کی لاشیں ملیں۔ اسرائیل نے اس کا الام براہ راست حماں پر لگایا اور انتقامی کارروائی کا فیصلہ کیا۔ حماں نے اس الام کی تردید کی اور کہا کہ اگر انہوں نے ان اسرائیلی لڑکوں کو پکڑا ہو تو انھیں قتل کرنے کے بجائے ان کے بد لے اپنے قیدی رہا کرواتے، جیسا کہ اس نے جلاع دشایط کے بد لے تقریباً ۳۰۰ فلسطینی مرد و خواتین قیدیوں کو رہا کروایا تھا۔ اس کے باوجود اسرائیل نے بزدلانہ کارروائی کرتے ہوئے ایک اسالہ فلسطینی پچ کواغوا کر کے زندہ جلا دیا اور روح کی سرحد پر حماں کے چھ قائدین کو شہید کر دیا اور بڑے پیمانے پر کارروائیوں کا

آغاز کر دیا۔ وائٹ ہاؤس نے بھی فوری طور پر اسرائیل کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے اسرائیلی جنگی کارروائیوں کو حق و فاع قرار دے دیا۔ امریکی اشارہ ملتے ہی اسرائیل نے بمباری میں اضافہ کیا اور سرکاری عمارتوں سمیت عام آبادی کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

در اصل جب سے مصر میں فوجی انقلاب کے ذریعے اسرائیل کے حامی اقتدار میں آئے ہیں تب سے اسرائیل کے تیور بد لے ہوئے ہیں۔ حماں نے شروع ہی سے اس صورت حال کا ادراک کیا اور اللخت کے ساتھ مصالحت کر کے ایک دفعہ پھر مشترکہ قومی حکومت تشكیل دینے کا داشمندانہ فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ سے تقسیم کرنے کی پالیسی پر گامزنا امریکا دا اسرائیل کو منظور نہ تھا کہ دونوں دھڑے ایک ہو کر اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکوں کی گم شدگی اور قتل کا بہانہ بنا کر اس نے غزہ پر چڑھائی کر دی۔

بعض تجزیہ نگاروں نے لکھا ہے کہ چند سال قبل غزہ کی پٹی میں تیل اور گیس کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے ہیں، اسرائیل انھیں اپنی تحویل میں لینا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ہر قیمت پر غزہ کو اپنے کنٹرول میں لینا چاہتا ہے۔ برطانوی اخبار دی گارڈین نے اپنی ۹ جولائی ۲۰۱۳ء کی اشاعت میں معروف دفاعی تجزیہ نگار ڈاکٹر نفیز احمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۲۰۲۰ء تک اسرائیل کا توانائی بحران شدت اختیار کر سکتا ہے جس کے پیش نظر اسرائیل فلسطینی ذخائر پر قبضے کو ضروری سمجھتا ہے۔ غزہ کے ساحل کے قریب تقریباً یہ رہ کھرب کیوبک فٹ گیس کے ذخائر موجود ہیں۔ اسی وجہ سے اسرائیل نے حماں کے خاتمے کے لیے غزہ پر جنگ مسلط کی ہے۔ معروف امریکی ماہر توانائی ڈاکٹر گرے لفت نے امریکی جریدے جریل آف انجی سیکورٹی میں اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ اسرائیل، مصر سے گیس کی مسلسل فراہمی کے باوجود آئندہ چند سالوں میں گیس کے شدید بحران کا سامنا کرے گا۔ اس لیے اس کی نظریں خطے میں موجود تیل اور گیس کے ذخائر پر لگی ہوئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پہلے ہی دن سے غزہ اسرائیل کی نظروں میں خاردار کائنے کی طرح کھٹک رہا ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے باقی مقبوضہ فلسطین میں شامل کرنا چاہتا ہے، تاکہ وہاں مصر کے آمر سیسی کی طرح وفادار اور محمود عباس کی طرح کٹھ پتی حکومت قائم کر کے جب چاہے فلسطینیوں کو وہاں سے نکال باہر کرے اور جب چاہے وہاں نئی یہودی آبادیاں قائم کرے۔

بین الاقوامی برادری کا رد عمل:

غزہ پر حملے کے اگلے ہی دن امریکی ترجمان نے اسرائیل کی مکمل حمایت اور حماس کی مذمت پر مشتمل بیان جاری کیا۔ اقوام متحده نے دونوں اطراف کو معاملات مذاکرات کے ذریعے حل کرنے اور جنگ بندی کا مشورہ دیا۔ گویا کہ اسرائیل کی وحشیانہ بمباری اور حماس کی جانب سے چلائے گئے دفاعی میراں برابر ہیں۔ امریکی رد عمل کے سامنے آتے ہی مسلم دنیا میں چیسے چپ سادھ گئی اور گاجر مولی کی طرح کٹتے نہتے فلسطینیوں پر جاری وحشیانہ بمباری گویا انھیں نظر ہی نہیں آ رہی۔

عرب ممالک پہلے تو خاموش تھے لیکن جب سو شل میڈیا پر اسرائیلی بموں سے معصوم فلسطینی بچوں کے جسموں کے پرخچے اڑتے ہوئے دکھائے گئے اور ہر طرف سے عرب حکمرانوں کو بے حسی کے طغی دیے جانے لگے، تو کاغذی کارروائی کے لیے عرب وزراء خارجہ کا اجلاس طلب کیا گیا، حملے کی مذمت کی گئی اور تصویری سیشن کر کے بات ختم کر دی گئی۔ مصر نے البتہ جنگ بندی کی ایک تجویز پیش کی جو دراصل اسرائیلی تجویز تھی، سب نے اس کی حمایت کا اعلان کیا۔ اسرائیل نے بھی اسے تسليم کیا لیکن معاملے کے اصل فریق حماس سے نہ تو کوئی رابطہ کیا گیا نہ مشاورت، بلکہ حماس کے ترجمان کے مطابق انھیں صرف میڈیا کے ذریعے اس معاهدے کی خبریں ملیں۔ اب جس جنگ بندی کے معاهدے کا حماس کو کچھ معلوم ہی نہ تھا اسے قبول کرنے سے انکار پر اسے مطعون کیا جا رہا ہے۔

اس ہمن میں مساوائے ترکی کے کسی مسلمان ملک سے سرکاری طور پر کوئی احتجاج یا مذمتی بیان سامنے نہیں آیا۔ ترکی نے نہ صرف سخت احتجاج کیا بلکہ حملہ بند نہ کرنے کی صورت میں سفارتی تعلقات ختم کرنے کی دھمکی بھی دی۔ ترک وزیر اعظم نے اس پورے معاملے میں مصر کے منافقانہ رویے کی سخت مذمت کرتے ہوئے فوجی حکمران جزل سیسی کو ظالم آمر قرار دیا۔

جنگ بندی کی مصری تجویز اور حماس کا انکار:

عرب وزراء خارجہ کے اجلاس منعقدہ ۱۳ جولائی قاہرہ میں مصر نے جنگ بندی کی تجویز میں کہا کہ حماس اور اسرائیل کو فوری طور پر جنگ بندی کرنی چاہیے۔ تجویز میں حماس سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ کسی قسم کے راکٹ اسرائیل کی طرف فائر نہ کرے۔ مصر نے غزہ اور اسرائیل کے مابین سرحد پر موجود تمام گزرگاہوں کو کھولنے کی بھی تجویز دی، تاہم تجویز میں اپنی سرحد کو کھولنے کی کوئی پیش کش نہیں کی۔ حماس

اور دیگر جہادی تنظیموں نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ القسام بریگیڈ نے اسے اسرائیلی بالادستی تسلیم کرنے کے مترادف قرار دیا۔ حماس نے موقف اختیار کیا کہ ہماری شرائط تسلیم کیے بغیر جنگ بندی قبول نہیں ہے۔ اس تجویز میں ہمارے مطالبات کا ذکر ہے نہ ہمیں مشاورت کے بارے میں مطلع کیا گیا ہے۔ عرب وزراء خارجہ کے اجلاس کے بعد جاری کردہ اعلانیہ کی عبارت ایسے مرتب کی گئی جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ فریقین موجودہ صورت حال کے برابر ذمہ دار ہیں۔

حماس کے رہنماء معاہدہ نہیں کہا کہ ہم جنگ بندی چاہتے ہیں۔ ۲۰۱۲ء کے معاہدے کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسرائیل کی وحشیانہ بمباری بند ہو اور ہمارے عوام نکھل کا سانس لیں لیکن ہمارا اصل مسئلہ سات سال سے جاری محاصرہ ہے جس سے ہماری قوم فاقوں کا ٹکڑا ہے اور ایک بڑی جنگ میں قیدیوں کی زندگی گزار رہی ہے، جب کہ مصری تجویز میں اس کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے ۲۰۱۲ء کے امن معاہدے میں اسرائیل کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ حماس کے قائدین اور دیگر مجاہدین کو نارگٹ نہیں کرے گا، جب کہ موجودہ تجویز میں اسرائیل کو اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے۔ گویا اسے کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ جب چاہے اور جسے چاہے نارگٹ کرے۔ اس تجویز میں اسرائیل کو پابند کیا گیا ہے کہ ضرورت کی اشیالا نے لے جانے کے لیے گزر گاہوں کو کھول دے، تاہم اسے امن و امان کی صورت حال سے مشروط کیا گیا ہے۔ گویا اسرائیل جب چاہے مختلف بہانوں سے ان گزر گاہوں کو بند کر دے۔

غزہ پر مسلط کی گئی اس جنگ میں اگرچہ سیکڑوں فلسطینی شہید اور ہزاروں زخمی ہو چکے ہیں، لیکن پہلی بار حماس کی طرف سے داغنے گئے ۱۰۰ افراد مقامی ساخت کے میزائل تمام یہودی آبادیوں تک پہنچ رہے ہیں۔ پہلی بار خود اسرائیلی سرکاری ذرائع نے دور جن سے زائد اسرائیلی فوجی جہنم رسید ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ سو شل میڈیا پر ایک ویڈیو دکھائی گئی ہے، جس میں اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو امریکی صدر کافون سن رہا ہے۔ فون کے دوران حماس کے رائٹوں کی آواز آئی اور وہ فون چھوڑ کر بھاگا۔ شاروں وال نائی ایک یہودی فوجی حماس کے مجاہدین کے ہاتھ لگ گیا تو فلسطینی آبادی میں خوشیوں کے شادیاں نج گئے کہ جلعاد شاپیط کی طرح اب مزید قیدی رہا ہوں گے۔

وَلَا تَمْحُنُونَ فِي إِبْقَاءِ الْقَوْمِ إِنْ يَكُنُونَ هَذَا لَأُنْوَنَ فَإِنْ هُمْ يَأْتُونَ مَكَانًا مُؤْمِنَةً وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرِيدُ مُجْوَنَّا

اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔

ایسا ہر گز نہیں ہے کہ نقصان صرف نہتے فلسطینیوں کا ہورہا ہے۔ خود اسرائیل کے اندر بیودی اپنی حکومت کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں کہ خداراغزو پر بمبماری بند کرو اور ہمیں سکون سے رہنے دو۔ فتح ان شاء اللہ حق کی ہو گی اور شیخ احمد یاسین شہید کی پیشین گوئی صح ثابت ہو گی۔ انہوں نے کہا تھا کہ الٰہ گنتی شروع ہو گئی ہے اور ان شاء اللہ اس صدی کی تیسری دہائی اسرائیل کے مکمل خاتمے اور صفحہ ہستی سے مت جانے کی دہائی ہو گی۔

غزہ کے نہتے اور مخصوص عوام پر ظلم و سفاکیت کی یہ نئی مثال بھی ختم ہو جائے گی، لیکن تاریخ میں والا قوامی برادری کی جانب داری، او آئی سی اور عالم عرب کی بزرگانہ خاموشی کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ مصر کا منافقانہ رویہ اور اسرائیل دوستی بھی کھل کر سامنے آگئی ہے اور ترک وزیر اعظم نے بجا طور پر اسے اسرائیل کے ساتھ اس وحشیانہ اور ظالمانہ کارروائی میں برابر کا شریک قرار دیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر پوری امت یک جا ہو کر اسرائیل کی طرف پھونک بھی مارے تو وہاں ایک پتا بھی نہیں رہے گا، لیکن افسوس کہ مسلم حکمران بزرگی اور بے حسی کی تمام حدیں عبور کر چکے ہیں۔ ان سے خیر کی امید تو نہیں پھر بھی ہماری تجویز ہے کہ فوری طور پر تمام مسلم ممالک کا ہنگامی سر برآہی اجلاس بلا یا جائے اور غزہ پر جاریت کو روکانے کے لیے واضح عملی اقدامات کا اعلان کیا جائے۔ اقوام متحده سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ عالمی قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے ایسے سخت اقدامات کرے جن سے محصور اہل غزہ کے اجتماعی قتل کو روکا جا سکے۔ مصر کو پابند کیا جائے کہ اہل غزہ کا پیر و فنی دنیا سے رابطے کا واحد راستہ رفع گیت وے کو فوری اور مستقل طور پر کھول دے، تاکہ زخمیوں اور بیماروں کو مناسب علاج معا لجے کے لیے مصر اور دیگر ممالک لے جایا جاسکے۔ مسلمان ممالک بالخصوص عرب ممالک اسرائیل کے سر پرست اور اس جاریت کی حمایت کرنے والے ممالک کے ساتھ تمام تجارتی معاہدوں خصوصاً تیل کے معاہدوں پر نظر ثانی کریں۔ اور مشترک دشمن کے مقابلے میں فلسطینی دہڑوں میں انتشار پیدا کرنے کے بجائے انھیں متحد کرنے کی سنجیدہ کوششیں کریں۔

جامعہ و ماحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں

محمد بلال خیل

جامعہ تبلیغ القرآن:
وفاق المدارس متاج:

10 جولائی 2014 کو وفاق المدارس کے متاج کا اعلان کیا گیا۔ جس میں جامعہ کله طلبہ و طالبات کے سوا، تمام طلبہ و طالبات کا میاب رہے۔ اور جامعہ کا رزلت 99% رہا۔

اختتام رمضان دورہ تفسیر القرآن:

22 جولائی 2014 رمضان المبارک کا دورہ تفسیر القرآن اختتام پذیر ہوا۔ جس میں کثیر تعداد میں خواتین و حضرات نے شرکت کی۔ تقریب میں رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب اور مولانا سمیح الحق صاحب نے آخری سورتوں کا درس دیا اور آخر میں حاضرین مجلس، امت مسلمہ اور عالم اسلام کے لیے تفصیلی دعائی گئی۔

اعتنکاف تربیتی کمپ:

جامعہ میں ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتنکاف تربیتی کمپ قائم کیا جاتا ہے۔ جس میں 25 تک معتکفین کو انشا و یو کے ذریعے منتسب کیا جاتا ہے اور ایک بہترین نظام الادوات (اجتماعی سحری و افطاری گروپ، حضرت مفتی صاحب کے ساتھ اصلاحی مجلس، اجتماعی تہجد، اشراق و ذکر، تعلیم دین، تعلیم از معارف الحدیث، تعلیم از فضائل اعمال) کے ذریعے ان کی تربیت کی جاتی ہے۔

حج تربیتی کلاس:

- منگل، بده، جمعرات (21, 20, 19 اگست 2014) عاز میں حج کے لیے 3 روزہ حج تربیتی کلاس منعقد کی گئی، جس میں ملٹی میڈیا کے ذریعے مناسک حج، مقامات مقدسہ، اور مسائل حج سہل اندaz میں پڑھائے گے۔ کورس میں پرنسپل سیکرٹری او قاف جناب شہجان صاحب اور تقریباً 370 عاز میں حج نے شرکت کی۔ پروگرام کے آخر میں ادارہ کے سرپرست مولانا مفتی محمد ایاز صاحب نے دعا کی اور شرکاء میں حج سے متعلقہ کتب و ضروری اشیاء تقسیم کیں۔

- اتوار (24 اگست 2014) گورنمنٹ ہائی سکول بی، میں حاجی منظور صاحب کی دعوت پر عاز میں حج کے لیے 1 روزہ حج تربیتی کلاس منعقد کی گئی، جس میں رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب اور ڈاکٹر حشمت علی صاحب نے ملٹی میڈیا کے ذریعے مناسک حج تفصیل سے پڑھائے۔

داخلہ جات سال 2014:

درس نظامی (بنین و بنات)، فاضلہ دراسات، فاضلہ دینیات اور حفظ قرآن نے سال داخلہ جات کے سلسلے میں 03 جولائی 2014 کو شوریٰ منعقد کی گئی۔ جس میں: (1) دستور العمل (2) تشریف (3) انتظامات (4) داخلہ ٹیسٹ وائزروی اور (5) رزلٹ کے حوالے سے مختلف امور زیر بحث لائے گئے۔

• دستور العمل:

امال مجلس مقننه اور مجلس شوریٰ کے تحت درس نظامی دستور العمل میں مختلف تراجمیں و اضافے کیے گئے۔ جس میں شعبہ جات کی تفصیل، اساتذہ، طباء و طالبات سے متعلق اصول، ضوابط و بدایات، داخلہ جات و امتحانات، نصاب اور اساتذہ کی گریدنگ وغیرہ شامل ہیں۔

تشریف 1 تا 15 اگست:

مختلف اخبارات میں پریس ریلیز (press release)، نوٹس بورڈ پر چارٹ، ارکین و مستقین کو تیک (message)، ویب سائٹ پر اشتہار (post)، فیس بک پر پوسٹ (Face book post)، یو نیٹ اور مدارس میں پھلفت کی تقسیم، تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی کی تمام شاخوں کو بذریعہ ٹیلیفون، مساجد و مدارس کے قریب اشتہارات (posters)، جامعہ کی ذیلی شاخوں میں فلیکس (flexes)، مشور چوکوں میں بیئرز (banners)، اور مختلف اخبارات میں پھلفت تقسیم کیے۔

انتظامات 6 تا 13 اگست:

داخلہ فارم اجرا، فارم ریکارڈ لست برائے رہائشی و غیر رہائشی جدید و قدیم (طباء و طالبات) کی تیاری، داخلہ فارم اجر اور صوبی کے لیے معلمین و معلمات کی ڈیوٹیاں لگائی گئیں۔

داخلہ ٹیسٹ وائزروی 14 اگست:

سوالیہ پرچہ کی تیاری، ہال سینگ، نگران عملہ کی تقریبی، بیرون ممتحن (external examiner) کو دعوت، مہمانان کے لیے انتظار گاہ، ائٹر ویو پینل (interview panel) کا قیام، مہمانان و عملہ کے لیے قیام و طعام کا بندوبست اور طباء کو جوابی پرچے مہیا کیے گئے۔

رزلٹ 16 اگست:

داخلہ ٹیسٹ میں کل 81 طباء و 63 طالبات نے حصہ لیا۔ جبکہ 47 طباء اور 27 طالبات کا میاب قرار پاگیں۔

اصلائی بیان:

اصلاح عقائد و اعمال کے ذریعے اصلاح معاشرہ جامعہ کی اولین کوشش رہی ہے، اسی لئے جامعہ کے اساتذہ اور اساتذہ مختلف اوقات اور مقامات پر اصلاحی بیانات کرتے ہیں جن میں عقائد و اعمال کے علاوہ گھریلو مسائل،

تریبیت اولاد، معاملات کی درشگی، پرداہ وغیرہ موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے 14 اگست 2014 بعد نماز عصر جناب قاری محمد ایاز صاحب نے ”رجوع الی القرآن“ کے موضوع پر اصلاحی بیان فرمایا۔
تنظیمی سرگرمیاں:

مقدمہ و شعبہ جات اجلاس:

شعبہ جات سے ششماہی رپورٹ لینے اور آئندہ 6 ماہ کے لیے بدایات و پلانگ کے حوالے سے 04 جولائی 2014 کو مقدمہ و شعبہ کا مشترکہ اجلاس ہوا جس میں اراکین مقدمہ، ذمہ داران شعبہ جات اور اہم اراکین نے شرکت کی۔

شب مذاکرہ:

رجال کار میں قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور مجلس منظمہ کے ارکان کی تربیت کی غرض سے مختلف موقعوں پر تربیتی اجلاس، کلاسز اور شب مذاکرے منعقد ہوتے رہتے ہیں اسی سلسلے میں، 17 اگست 2014 کو شب مذاکرہ منعقد ہوئی جس میں خاص اراکین نے شرکت کر کے تربیت حاصل کی۔

پہلا ماہنہ یک روزہ سیکھریٹ:

کم وقت میں زیادہ کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے، اجتماعی کام کرنے کی عادت ڈالنے، ماہانہ کی بنیاد پر تمام شعبہ جات کی کار کردگی بہتر بنانے، شعبہ جات کے درمیان اشتراک کار (کو آرڈینیشن) پیدا کرنے، مختلف امور ایک وقت میں فیصلہ کرنے، اپنے شعبہ کے لئے دستور، اصول، ضوابط، ذمہ داریوں کا تعین، کاموں کی تقسیم، دفتری کارروائی کامل کرنے، تنظیمی اور انتظامی تربیتی نشست منعقد کرنے، شعبہ کاریکارڈ اپیلیٹ اور ڈسکس کرنے، جال کار میں قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور منظم جدوجہد اور تحریک کی مجموعی کار کردگی بہتر بنانے کے لیے 17 اگست 2014 تحریک کا پہلا ماہنہ یک روزہ سیکھریٹ قائم کیا گیا۔

جس میں شرکاء سیکھریٹ نے مندرجہ ذیل سرگرمیاں عمل میں لائیں:

۱۔ متعلقہ شعبہ کی عاملہ (یعنی ذمہ داران اور ٹیم لیڈرز) بلاانا۔

۲۔ متعلقہ شعبہ کی عاملہ کو بریفنگ دینا۔

۳۔ انتظامی خامیوں کے لئے ذمہ داریوں کی دوبارہ تقسیم کرنا۔ یا کاموں کو تقسیم کرنا۔

۴۔ سالانہ لاجئہ عمل کے مطابق پہلی ششماہی کے کام کو ختم کرنا اور آئندہ ششماہی کے کاموں کے لئے پلان بنانا۔

۵۔ دن بھر کی سرگرمیوں اور شعبہ کی کار کردگی سے متعلق آخر میں مقدمہ کے افراد کا ہر شعبہ سے منٹ کی رپورٹ لیتا۔

سہ ماہی اجلاس عام:

حلقة جات اور شعبہ جات کو منظم کرنے اور تحریک کی مجموعی کار کردگی بہتر بنانے کی غرض سے 31 اگست 2014 کو سہ ماہی اجلاس ہوا جس میں اراکین مقدمہ، ناظمین یونیٹس، ذمہ داران شعبہ جات اور اہم اراکین نے شرکت کی۔

خفف سرگرمیاں:

خصوصی تدریب المدرسین کو رس

پشاور یونیورسٹی (UOP) باڑہ گلی مری کیپس، کے زیر اہتمام 9 اگست 2014، دینی مدارس کے معلیین و مدرسین کے لیے 4 روزہ خصوصی تدریب المدرسین کو رس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں جامعہ تبلیغ القرآن کی طرف سے مفتی مولانا محمد ایاز صاحب اور قاری اقمان احمد صاحب نے شرکت کی۔

ختم تراویح

13 جولائی 2014، ”جامع مسجد گلہار نمبر 1“ میں جناب افسران صاحب کی دعوت پر ختم تراویح کے موقع پر رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز نے فضائل قرآن پر بیان کیا۔

اختتام دورہ تفسیز

27 جولائی 2014، ”جامع مسجد طیف آباد روڈ“ میں مولانا عبدالحکیم صاحب کی دعوت پر دورہ تفسیر کے اختتام پر رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب نے قرآن پاک کی آخری سورتوں کا درس دیا اور آخر میں تفصیلی دعا کی۔

الجامعة الاسلامیہ وزٹن

31 جولائی 2014، جامعہ کے وفد (مفتی مولانا محمد ایاز، ڈاکٹر حشمت علی، اور حاجی پرویز صاحبان) نے الجامعہ الاسلامیہ لونڈ خوڑ کا دورہ کیا۔ اور جامعہ کے سرپرست ڈاکٹر متاز صاحب اور علماء کے ساتھ نشست ہوئی۔ جس میں درس نظامی اور جامعہ کے نظام تعلیم کے حوالے سے اپنی قیمتی آراء و تجویز پیش کیں۔

اختتام درس قرآن

08 اگست 2014، ”مسجد توحید قاضی کلے روڈ“ میں مولانا رفع اللہ بن مولانا اور حبیب صاحب کی دعوت پر درس قرآن کے اختتام پر رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب نے ترغیب الی القرآن پر بیان فرمایا۔

اختتام ناظرہ و ترجمہ قرآن

16 اگست 2014، جامعہ کی ذیلی شاخ ”مرسہ ام سلیم للبنات یوسف آباد“ میں 4 بچیوں نے ناظرہ قرآن جبکہ 16 لاکھیوں نے ترجمہ قرآن پاک ختم کیا۔ اس موقع پر جامعہ کی ناظمہ صاحبہ نے ترغیب الی القرآن پر بیان کیا۔

درس حدیث

22 اگست 2014، مولانا محمد اسماعیل صاحب کی دعوت پر ”فهم قرآن کورس، وزیر باغ“ میں رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب نے درس حدیث دیا۔

ترتیبی کونشن: حلقہ پلوسی میں طلبہ توحید و سنت کی جانب سے 31 اگست 2014 کو ”ترتیبی کونشن“ کا انعقاد ہوا۔ جس میں رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب نے، تربیت ارکان کے موضوع پر بیان فرمایا۔

انقلام ترجمہ قرآن

29 اگست 2014ء، جامعہ کی ذیلی شاخ ”مدرسہ ام زینب انہیں آباد“ میں 5 لاکھوں نے ترجمہ قرآن پاک ختم کیا۔ اس موقع پر رئیس جامعہ تبلیغ القرآن، مولانا مفتی محمد ایاز صاحب نے تغییراتی القرآن پر بیان جبکہ نائب مفتی جامعہ تبلیغ القرآن، مفتی ضیاء الحق صاحب نے آخری سورتوں کا درس دیا خادم ویلسنیر سوسائٹی (KWS) :

اعتنکاف کتاب تقسیم:

18 جولائی 2014ء، ”خادم“ کے زیر انتظام، منظم سروے کے بعد گرد و نواح کے مختلف مساجد میں مختلفین میں اعتنکاف کتاب مفت تقسیم کیے گئے فری ائمہ میڈیٹ رزلٹ:

21 جولائی 2014ء خادم کی جانب سے میٹرک کے طلباء و طالبات کو فری ائمہ میڈیٹ (FA/FSc) رزلٹ کی سہولت فراہم کی گئی۔ جس میں کثیر تعداد میں طلباء و طالبات کو بال مشافہ، بذریعہ فون اور متوجہ رزلٹ دیا گیا۔ فطرانہ مہم:

29 جولائی 2014ء، ”خادم“ کے زیر فطرانہ مہم چلانی گئی جس میں تقریباً 5 ہزار روپے فطرانہ جمع کیا گیا۔ فلٹریشن پلانٹ میٹنگ (Filtration Plant Meeting) :

”خادم“ کے زیر گرانی سپلائی ہونے والے فلٹریڈپانی کی مانگ (demand) بڑھنے پر 15 اگست 2014ء میٹنگ بلاجی گئی۔ جس میں صارفین کو بروقت سپلائی کرنے کے لیے ایک عدد سز و کی، ایک عدد چنگ پی، ایک عدد ہجھہ ریڈھی، نئے ڈرائیور اور سلیپر کی تقرری کی گئی۔

سرکیمپ (Sumer Camp):

”خادم“ کی جانب سے شعبہ اطفال (بچیوں) کے لیے 11 اگست 2014 سے 6 روزہ سرکیمپ قائم کیا گیا۔ جس میں ملٹی میڈیا کی مدد سے 6 معلمات کی گرانی میں 35 بچیوں کو صاباط اخلاق و معاشرتی آداب پڑھائے گئے۔

وکیشل سنتر میٹنگ (Vocational Center Meeting):

12 اگست 2014ء، ”خادم“ کے زیر انتظام و کیشل سنتر سے ٹریننگ طالبات و عملہ کے لیے چائے پارٹی (Get together party) منعقد کی گئی۔ پروگرام کے بعد میٹنگ میں آئندہ کلاسز کے لیے نصاب، نئے کورسز کی اجراء اور سرٹیفیکیٹ کے اجراء کے لیے پراجیکٹ لازم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور ٹریننگ طالبات سے 8 طالبات کا بطور ٹرینر (Trainers) انتخاب کیا گیا۔